نانی کی کہانیاں

مُصنفہ: فاطمہ مُجتبیٰ

نانی کی کہانیاں

مُصنفہ: فاطمہ مُجتبیٰ
مصوّر: علی اکبر نقوی

دیباچہ

کہانیوں کی یہ کتاب اِس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے کہ بچوں کے اَندر اُردو پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں روزمرہ ماحول سے لی گئی ہیں۔ اِن میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے وہ بچوں کو اَجنبی نہیں لگے گا۔ اِن کو پڑھ کر بچوں کو ایسا لگے گا کہ وہ بھی اِن کہانیوں کا ایک حصہ ہیں۔ آخری چند کہانیاں بچوں کے لیے ذرا مُشکل ہوں گی جِن کو وہ اَپنے والدین کی مدد سے پڑھ یا سُن سکتے ہیں اور لُغت سے مُشکل اَلفاظ کے معنی تلاش کرسکتے ہیں۔ اِس کتاب کا آخری مضمون عبدُالستار اِیدھی کے بارے میں ہے۔ یہ بڑوں کے پڑھنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ اِس تحریر کو والدین ضرور پڑھیں۔ مجھے اُمید ہے میری یہ کاوش ضائع نہیں جائے گی۔ چند بچوں نے بھی اِس کتاب کو پڑھا اور سمجھا تو میں اَپنے آپ کو خوش قِسمت سمجھوں گی۔ اِس کوشش اور محنت میں کئی لوگوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا جِن کی میں بےحد شکرگزار ہوں۔ اَگر اِس کی اِبتدا سے مکمل ہونے تک میرےساتھ میرے بچوں کی اَنتھک محنت شامل نہ ہوتی تو اِس کا شائع ہونا نامُمکن تھا۔ میں خاص طور پر اپنے بھتیجے علی اکبر نقوی (اِس کتاب کے مصوّر) اور اَپنی پیاری نواسی ایمن زہرہ کی بہت مشکور ہوں جِس نے ہر موقع پر میری بہت زیادہ مدد کی۔ اگر پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی ملی تو یہ سلسلہ اِنشاءاللہ آگے بھی جاری رہے گا۔

فاطمہ

(فاطمہ مُجتبیٰ)

FREE E-Book available at: https://nani-ki-kahanian.com
Contact Us at: nani.ki.kahanian@gmail.com

فہرست

چڑا اور چڑیا ۱

چابی کا کھلونا ۲

دوستی ۴

صبح دوپہر شام کام کام کام ۶

ہاتھوں کا کمال ۸

چچا چھکّن ؛ یومِ والدین کی تقریب ۱۰

جادوگر کا تماشہ ۱۵

موسموں کی کہانی ۱۹

سلمان کا پنسل باکس ۲۳

چار جھگڑالو بھائی ۲۵

آلودگی اور ماحول کی گندگی ۲۸

مالینگ اور جادو کا برش ۳۲

نینا کی نانی ۳۵

چچا چھکّن کی ہیڈ مسٹریس سے ملاقات ۳۸

اَرنی کا کیا ہوگا؟ ۴۳

اِقبال کون ؟ ۴۶

غزل کیا ہے؟ ۴۹

عظیم اِنسان جو ہمیں چھوڑ گیا ۵۰

ہمارے پیارے اَرحم کے لئے

چڑیا اور چڑا

دال اور چاول چُن لائے دونوں، لکڑی ماچِس لائے کون
چڑیا چِڑے میں ہوگیا جھگڑا چولہے میں آگ جلائے کون
چمچہ ہانڈی پاس رکھی ہے، آگ بھی چولہے میں جلتی ہے
چڑیا چِڑے میں ہو گیا جھگڑا بولو کھچڑی بنائے کون
مشکِل سے جب کھانا پکّا دونوں نے پھر نمک جو چکّھا
چڑیا چِڑے میں ہوگیا جھگڑا اَب یہ کھچڑی کھائے کون
کوّے نے جب یہ سب دیکھا تاک لگا کر پھِر وہ لپکا
کھا گیا ساری کھچڑی جب وہ، اَب بیٹھا پچھتائے کون

چابی کا کھلونا

میں چابی سے چلنے والا ایک کھِلونا ہوں۔ ایک دِن عالی کی اَمی نے مُجھے دُکان سے خریدا تھا۔ اُس دِن عالی نے بہت سے کھِلونوں میں سے مُجھے پسند کیا تھا اور اَپنی اَمی سے ضِد کی تھی کہ مُجھے صرف یہ والا کھِلونا ہی چاہیے۔ میں اُس وقت تھا بھی بہت خوبصورت۔ میرا پیلا چمکتا ہوا رنگ تھا۔ میں ایک خُوبصورت سے ڈِبے میں بند تھا۔ اُس ڈِبے میں ایک کھڑکی تھی جِس میں سے میں جھانک رہا تھا۔ جب عالی نے مجھُے پسند کیا تو میں بہت خوش ہوا۔

عالی کی اَمی نے پیسے دے کر مُجھے لے لیا۔ اَب میں عالی کا کھِلونا تھا۔ اُس کا پسندیدہ کھِلونا۔ وہ تمام دِن مُجھ سے کھیلتا، میرا خیال رکھتا کہ کہیں میں ٹوٹ نہ جاؤں۔ رات کو وہ مُجھے ڈِبے میں بند کر کے اَلماری میں رَکھ دیتا۔ وہاں میری دوسرے کھلونوں سے کافی دوستی ہوگئی۔ خاص طور پر عالی کا رُوئی بھرا ہوا بھالُو میرا بہت اَچھا دوست بن گیا۔ میری زندگی بہت اَچھی گُزر رہی تھی لیکن آہستہ آہستہ مجھُے لگا جیسے عالی اَب مُجھے زیادہ پسند نہیں کرتا۔

اُس نے مجُھ سے کھیلنا کم کردیا تھا۔ وہ اَب میرا اُتنا خیال نہیں رکھتا تھا جِتنا پہلے رکھتا تھا۔ میں اَکثر اِدھر اُدھر پڑا رہتا۔ عالی سارا دِن میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ مجُھے اِس بات سے بہت دُکھ ہوا۔ اَب میرا رنگ بھی خراب ہوگیا تھا اور احتیاط سے اِستعمال نہ کرنے سے میرا ہاتھ بھی ٹوٹ گیا تھا۔

آخر عالی کی اَمی نے مجُھے اُٹھا کر ٹوٹے ہوئے کِھلونوں کے ڈِبے میں ڈال دیا۔ اُس ڈِبے میں سارے وہ کِھلونے تھے جِن سے عالی کا دِل بھر چُکا تھا اور اُس نے بُری طرح گِرا گِرا کر اُن کو توڑ دیا تھا۔ میں بہت اُداس رہنے لگا۔ اُس دِن میری اُداسی اور بھی بڑھ گئی جب میں نے سُنا کہ عالی اَپنی اَمی سے ایک نئے کِھلونے کی ضِد کر رہا ہے۔

آخر بچے کِھلونوں کے ساتھ اِتنی بے دردی سے کیوں کھیلتے ہیں۔ اگر وہ ہم سے پیار محبت سے کھیلیں تو ہم بھی اُن کا بہت دِن تک ساتھ دیں گے۔ نئے کِھلونے بھی لائیں اور پُرانے اور نئے سَب کِھلونوں سے کھیلیں اور خوش رہیں۔ ہمارا تو مقصد ہی بچوں کو خوشی دینا ہوتا ہے، لیکن نہ جانے کیوں یہ سب بچے ہماری قدر نہیں کرتے۔ **اَپنی کتابوں، کاپیوں اور کِھلونوں سب کی حِفاظت کرنا بہت اَچھی بات ہوتی ہے۔ اِس طرح بچے بھی خوش رہیں گے، اُنکے والدین بھی اور ہم بھی اُن کا بہت خوشی سے ساتھ دیں گے۔** آگے اُن کی مَرضی اَپنا فائدہ کریں یا نُقصان۔

دوستی

آج ماریہ کی سالگرہ ہے۔ اُس نے اپنی سب دوستوں کو اَپنے گھر بُلایا ہے لیکن اُس کی سب سے اَچھی دوست نِدا کی آج ہی اسکول میں اُس سے کسی بات پر ناراضگی ہوگئی۔ اَب ماریہ بہت پریشان تھی کہ نِدا شام کو میری سالگرہ میں بھی نہیں آئے گی۔

اِدھر نِدا بھی اَپنے گھر میں اُداس بیٹھی تھی اور اُس تحفے کو غور سے دیکھ رہی تھی جو اُس نے ماریہ کو دینے کیلئے خریدا تھا۔ نِدا کی اَمی نے اُس سے پوچھا۔ بیٹا تم اَبھی تک تیار نہیں ہوئیں، تمہیں تو ماریہ کے گھر جانا تھا؟ نِدا مُنہ نیچے کرکے رونے لگی۔ اَمی ماریہ سے میری لڑائی ہوگئی ہے۔ اَب میں اُس کے گھر کیسے جاؤں گی؟

نِدا کی اَمی نے اُسے سمجھایا۔ بیٹا یہ چھوٹی موٹی ناراضگیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اِن سے دوستی ختم تو نہیں ہو جاتی۔ چلو تم اُٹھ کر تیار ہو جاؤ میں تمہیں ماریہ کے گھر چھوڑ آتی ہوں۔ اَب ماریہ صاحبہ کا حال سنیئے، اُس کی ساری دوستیں جمع تھیں۔ سب ہنس کھیل رہی تھیں لیکن ماریہ کسی بھی کھیل میں شامل نہیں ہو رہی تھی۔ کیک کاٹنے کا وقت آگیا مگر ماریہ کی نظریں دروازے کی طرف تھیں کہ شاید نِدا آجائے۔ اور وہی ہوا، دروازے کی گھنٹی بجی تو ماریہ نے بھاگ کر دروازہ کھولا، نِدا سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ ماریہ کی خوشی کی حد نہ رہی وہ بھاگ کر نِدا سے لِپٹ گئی۔ کہاں کی ناراضگی؟ کیسی ناراضگی؟

سب دوستوں نے خوب مزے کیے، کیک کھایا اور پیزا بھی تو آیا تھا، جو سب کا پسندیدہ تھا۔ کھانے پینے کے بعد سب کو کھیلنے کا خیال آیا۔ کھیل تو کیا تھا بس بھاگنا دوڑنا ہی تھا۔ ماریہ کی امّی باربار آکر بچوں کو سمجھا رہی تھیں کہ اِس طرح چوٹ لگ سکتی ہے اور وہی ہوا۔ فاطمہ اور سارہ بھاگتے بھاگتے ٹکرا گئیں اور دونوں کو چوٹ بھی لگی۔

اَب رونا اور ایک دوسرے پر الزام لگانا شروع کردیا۔ فاطمہ بولی امّی، سارہ نے مجھے جان کے دھکّا دیا تھا۔ سارہ کا کہنا تھا کہ یہ میرے پیچھے بھاگ رہی تھی اِس لیے میں گر گئی۔ ماریہ کی امّی نے دونوں کو دوا لگائی اور جھگڑے کا فیصلہ بھی کروایا۔ ماریہ بھی ذرا اُداس تھی کیونکہ اُس کی سالگرہ کی خوشی خراب ہوگئی تھی۔ اُس نے دونوں میں صُلح کروائی اور کہا دیکھو کل میری اور نِدا کی بھی لڑائی ہوگئی تھی میں یہ سوچ کر رو رہی تھی کہ شاید نِدا میری سالگرہ پر نہ آئے لیکن نِدا کی امّی نے اُسے سمجھایا کہ اَچھے دوست لڑائی جھگڑا نہیں کرتے۔

اَب میں بھی یہ بات کہتی ہوں کہ فاطمہ اور سارہ تم دونوں بھی دوستی کرلو۔ **ہماری دوستیاں بڑے ہوکر بھی اِسی طرح رہیں گی؛** فاطمہ اورسارہ خوش ہوگئیں۔ماریہ نے سب دوستوں کو سالگرہ کی خوشی میں چھوٹے چھوٹے تحفے دیئے اور یہ سالگرہ کی پارٹی ہنسی خوشی ختم ہوگئی۔

صبح دوپہر شام.....
کام کام کام.....

میں پاکستان کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ آیئے آج میں آپ کو اَپنی اَماں سے ملواتا ہوں۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ گاؤں کے اور گھروں کی طرح چھوٹا لیکن صاف سُتھرا۔ اِس میں میں، میری بہن، میرے اَبا اور میری اَماں رہتے ہیں۔ مُجھے آج تک معلوم نہ ہوسکا کہ میری اَماں صُبح کِس وقت اُٹھتی اور رات کو کِس وقت سوتی ہیں، کیوں کہ جب میں اُٹھتا ہوں تو وہ گھر کا آدھا کام کر چکی ہوتی ہیں۔ روٹی پکانے سے لے کر، گھر کی صفائی تک۔ جانوروں کو چارا ڈالنے اور کنوئیں سے پانی بھرنے سے لے کر کپڑے دھونے تک سارا کام وہ صبح سویرے ہی ختم کر لیتی ہیں۔ اِس کے بعد وہ ہم دونوں بہن بھائی کو اِسکول جانے کیلئے تیار کرتی ہیں اور ساتھ ہی دوپہر کیلئے کھانا تیار کرنے میں لگ جاتی ہیں۔

دوپہر کو کھیتوں میں اَبا کیلئے کھانا لے کر جاتی ہیں۔ کھیتوں کی دیکھ بھال، فصل کی کٹائی اور دوسرے کاموں میں اَبا کا برابر ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اِسکول سے چھُٹی کے بعد ہم دونوں بھی کھیتوں میں آجاتے ہیں۔ کھانا کھا کر ہم تو کھیل کود میں لگ جاتے ہیں۔ اَبا ذرا دیر آرام کرتے ہیں لیکن ہماری اَماں کے اَندر تو جیسے کام کرنے کی مشین لگی ہوئی ہے۔

اُن کا ایک کام ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع۔ اِسی طرح دِن ختم ہوکر رات آجاتی ہے۔ باقی سب تو کھانا کھا کر سو جاتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں اَماں کب بِستر پر لیٹتی ہیں۔ ہم تو اَگلے دن پھِر اُن کو مشین کی طرح کام کرتے ہی دیکھتے ہیں۔

میری اَمّی کی یہ کہانی سُن کر یقیناً آپ کو یہ لگا ہو گا کہ اَرے! یہ تو بالکل میری اَمّی کی کہانی ہے۔ وہی اَنتھک محنت اور کاموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔ کوئی شکایت، کوئی شکوہ کیے بغیر صبح سے شام تک یہ روز کا معمول چلتا رہتا ہے۔ بھئی کیا کریں اَمّی ہوتی ہی ایسی ہیں۔ کوئی ہاتھ بٹا دے تو اُس کی مہربانی، ورنہ جو کام اُن کو کرنا ہے وہ تو اُنہی کو کرنا ہے۔

ہاتھوں کا کمال

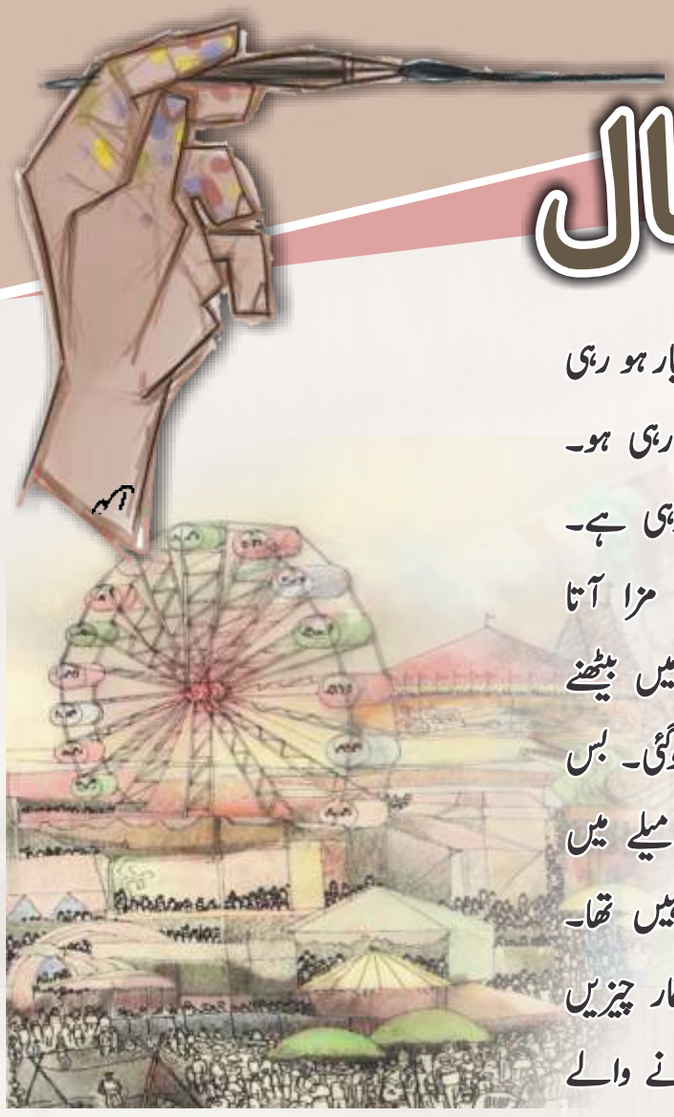

سمن آج بہت خوشی خوشی اِسکول جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی۔ احمد بولا، سمن آج کیا بات ہے تم بہت خوش نظر آ رہی ہو۔ سمن جلدی سے بولی، بھائی آج ہماری جماعت میلہ دیکھنے جارہی ہے۔ سارے بچے بس میں بیٹھ کر جائیں گے۔ میلے میں بہت مزا آتا ہے۔ سمن جب اِسکول پہنچی تو سب بچے قطار بنا کر بس میں بیٹھنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ وہ بھی سب کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ بس میں بھر کر سب میلے میں پہنچ گئے۔ ٹیچر نے اَپنے لیے میلے میں داخل ہونے کا ٹکٹ خریدا۔ بچوں کے لئے کوئی ٹکٹ نہیں تھا۔ سب اَندر داخِل ہوئے۔ میلے میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی بے شمار چیزیں تھیں۔ اِس میلے میں سارے پاکستان سے، ہاتھ سے کام کرنے والے آرٹسٹ اور ہُنرمند آئے تھے۔

اِن کی بنائی ہوئی چیزوں سے دکانیں بھری ہوئی تھیں اور وہ ہمیں وہ تمام چیزیں بنا کر دکھا بھی رہے تھے۔ ہم ہر دکان پر رُکتے۔ لوگوں کو کام کرتے دیکھ کر ہمیں بہت حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سب اِتنی صفائی اور تیزی سے کام کر رہے تھے جیسے اُن کے ہاتھوں اور اُنگلیوں میں جادُو ہو۔ کہیں کوئی بڑھئی لکڑی سے مختلف چیزیں بنا رہا تھا۔ اُس کا ساتھی اُن چیزوں پر مُختلف رنگوں سے پھُول بوٹے بنارہا تھا۔ اُس سے اَگلے سٹال پر باریک کڑھائی والے چپل اور کھُسّے تیار ہورہے تھے اور بے شمار جوتے تیار کرکے سجا دیئے گئے تھے۔

اَگلا سٹال مٹی کے برتنوں کا تھا۔کمہار پاؤں سے ایک پہیئے کو گھماتا جارہا تھا۔ اُس پر رکھی ہوئی مٹی کو ہاتھوں کی مدد سے وہ اَپنی مرضی کی شکل دے کر مُختلف بَرتن بناتا جارہا تھا۔ کبھی گملا بن جاتا، کبھی صُراحی، کبھی گھڑا تیار ہوجاتا اور کبھی مٹی گل‌دان کی شکل اِختیار کر لیتی۔ ٹیچر نے بتایا کہ اِس پہیے کو چاک کہتے ہیں، جِس پر چکنی مٹی رَکھ کر کمہار گھماتا ہے اور ہاتھوں سے اِس مٹی کو اَپنی مرضی کی شکل دیتا جاتا ہے۔ یہ بچوں کے لئے بہت ہی نیا اور دِلچسپ تجربہ تھا۔ سب آنکھیں کھولے اِس جادو کو دیکھ رہے تھے۔

چاروں صوبوں کے ہُنرمندوں کی خوبصورت دستکاریوں اور ہاتھوں سے بنائی گئی چیزوں کے علاوہ ہر صُوبے کے فنکار خاص لِباس پہنے ہوئے اِتنے جوش‌وخروش سے گا اور بجا رہے تھے کہ میلے کو چارچاند لگ گئے تھے۔ ڈھول اور مُختلف سازوں کی آواز سے ماحول میں بےحد رونق تھی۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ واہ، کیا ماحول تھا! سمن اور سب بچوں کیلئے یہ ایک یادگار دِن تھا۔ اَب بھی ہرسال جب اُنکے شہر میں میلا لگتا ہے تو بچے کبھی ٹیچر اور کبھی اَپنے ماں باپ سے میلے میں جانے کی ضِد کرتے ہیں۔ **اِس طرح اُنکو اَپنے ملک کے چاروں صوبوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اِسی لیے ایسے میلے منعقد کیے جاتے ہیں۔**

چچا چھکّن یومِ والدین کی تقریب میں گئے

آپ نے چچا چھکّن کا نام تو سُنا ہی ہو گا۔ جی! جی! وہی اِمتیاز علی تاج والے مشہور چچا چھکّن۔ خُدا نہ کرے جو چچا چھکّن کوئی ذمہ داری اَپنے سر لیں۔ وہ آفت مچاتے ہیں کہ خُدا کی پناہ۔ مجال ہے جو زندگی میں کوئی کام اُنہوں نے سلیقے سے کیا ہو۔ چچی بچاری تو ہر مُمکن کوشش کرتی تھیں کہ کوئی کام اُنکے ذمہ نہ ڈالیں لیکن آئی کو کون ٹال سکتا ہے۔ اَبھی آج ہی کی بات سُن لیجئے، چچی کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ اِس وجہ سے اُنہیں یاد ہی نہیں رہا کہ ننھے کے اِسکول سے بلاوا آیا رکھا ہے اور آج ہی یومِ والدین کی تقریب ہے۔ صُبح اُٹھ کر بچے نے رونا شروع کر دیا۔ میرے اِسکول کون جائے گا؟ آپ کی تو طبیعت خراب ہے۔ جب سے ننھے کو انگریزی اِسکول میں داخل کروایا تھا، چچی ہر میٹنگ اور تقریب میں خود ہی جاتی تھیں۔ چچا کو بھیجنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں، لیکن آج مجبوری تھی اُدھر ننھا روئے چلا جا رہا تھا۔

چچی: اَرے بیٹا میری حالت تو بالکل اِس قابل نہیں کہ میں تمہارے اِسکول جا سکوں۔

ننھا: لیکن اَمی میں نے تو ڈرامے میں حصہ لیا ہے۔ آپ دیکھنے نہیں آئیں گی؟

چچی: بیٹا طبیعت ٹھیک ہوتی تو ضرور جاتی۔

ننھا: (روتے ہوئے) اَمی سب کے اَمی اَبا آئیں گے۔

(چچا داخل ہوتے ہیں ننھے کو روتا دیکھ کر)

چچا: بیٹا کیوں رو رہے ہو؟(چچی سے) ہمارا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟

چچی:کیا بتاؤں آج اِس کے اِسکول میں یومِ والدین ہے۔
مُجھے لے جانے کی ضِد کر رہا ہے۔ میری طبیعت تو بالکل
اِس قابل نہیں کہ میں جا سکوں۔ سَر اور جِسم میں سخت درد ہے۔

چچا: تم پریشان مت ہو۔ ہم چلے جاتے ہیں، اَپنے بیٹے کے اِسکول۔

چچی: (گھبرا کر) کون؟ آپ؟

چچا: ہاں، ہم اور کون؟ آخر ہم اِس کے باپ ہیں۔ ہمارا بھی کوئی فرض ہے۔

چچی: نا بابا، آپ تو رہنے ہی دیجئے، میں خود ہی چلی جاؤں گی۔
دوا کھا لیتی ہوں طبیعت سنبھل جائے گی۔

چچا: کیوں بھئی اَب ہم اِتنا بھی نہیں کر سکتے؟

چچی: (بڑبڑاتے ہوئے) اَللہ خیر کرے۔

چچا: کیا کہہ رہی ہو؟

چچی: کچھ نہیں۔ کہہ رہی ہوں وقت بہت کَم ہے آٹھ بجے اِسکول پہنچنا ہے۔

چچا: لو ہم اَبھی چُٹکی بجانے میں تیار ہوئے جاتے ہیں۔

(بس، اَب آئی گھر بھر کی شامت۔ چچا کو تیار ہو کر اِسکول جانا ہے
اور وہ بھی جلدی میں۔ ایک ایک کو آوازیں پڑنی شروع ہو گئیں)

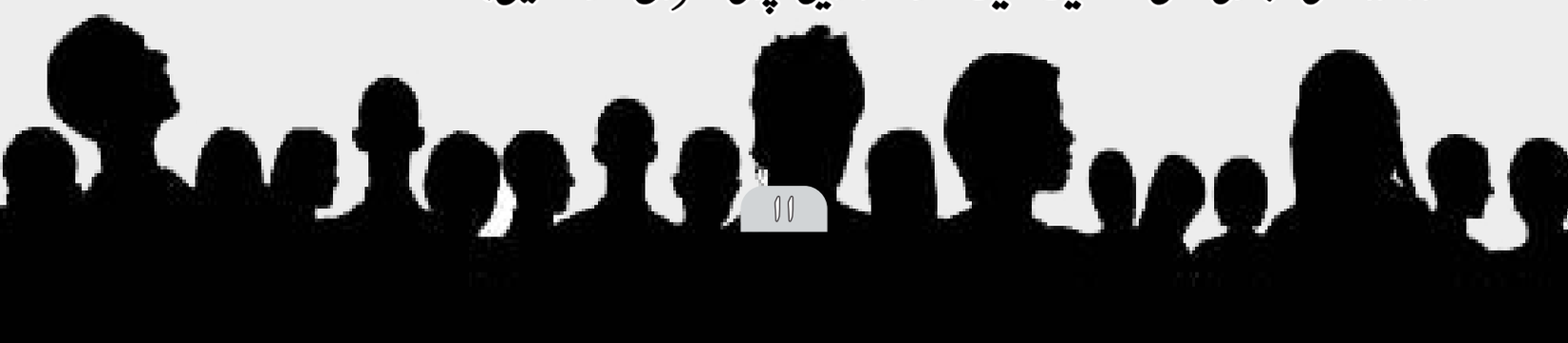

چچا: اَمامی اَرے او اَمامی جلدی سے آ۔

اَمامی: اَللہ خیر کرے صبح صبح کیوں چیخ رہے ہو؟

چچا: سب جلدی سے ہماری ساری چیزیں کپڑے ٹوپی جوتے اور چھڑی تیار کر دو۔ بَس ہم آج خوب بن ٹھن کر جائیں گے۔

چچی: کیوں جی خیر تو ہے؟

چچا: اَری نیک بخت سوچو تو صحیح، ننھے کی اُستانیاں کیا کہیں گی کہ بچے کے اَبا کو ڈھنگ کے کپڑے پہننے کی تمیز بھی نہیں ہے۔ (اَمامی سے) آپ کیا دانت نکالے کھڑے ہیں جلدی جایئے۔ (اَمامی جاتا ہے۔) یہ گُڑیا کہاں چلی گئی۔ ایک تو یہ کام چور بچے گھڑی بھر کو ٹھہرتے نہیں کہ کہیں ہم کوئی کام نہ بتادیں۔

گڑیا: جی اَبا کہاں گئی ہوں، یہیں تو کھڑی ہوں۔

چچا: سُنو، وہ ہمارے جوتے بھی ذرا پالش کردینا۔ خوب چمکا دینا۔ گندے جوتے پہن کر جائیں گے تو بہت شرم آئے گی۔ (چھٹّن سے) اور تم یہاں کھڑے کیا مُنہ تک رہے ہو۔ ذرا وہ ہمارا کیمرا تو نکالو۔

چچی: اَب جانے بھی دیں، کیمرے کی کیا ضرورت ہے۔ بس آپ جلدی سے تیار ہوکر جائیں۔

چچا: بھئی ننھے کی تصویریں بھی تو کھینچنی ہیں۔ آخر ہمارا بیٹا ڈرامے میں کام کررہا ہے۔

چھٹّن: اَبا اِسکول والے تصویریں کھینچنے کو منع کرتے ہیں۔

چچا: تم چُپ رہو جی۔ ہم دیکھتے ہیں، ہمیں کون منع کرتا ہے۔

اَمامی: (داخل ہوتا ہے) یہ لیں آپ کے کپڑے لے آیا ہوں۔

محمود: بس اَبا جلدی کریں ننھے کو جلدی پہنچنا ہے۔

چچا: اَرے بھئی سب ہمیں ہی کہے جارہے ہیں۔ تم سب کو بھی تو تیار ہونا ہے۔

گڑیا: اَبا ہم سب نہیں جا رہے صرف آپ کو جانا ہے۔

چچا: کیوں بھئی وہ کیوں؟

محمود: اَبا صرف ماں باپ کو بلایا ہے اور کسی کو نہیں۔

چچا: بَس تم چُپ رہو۔ ہم جو کہہ رہے ہیں سب جائیں گے۔

چھٹّن: لیکن اَبا۔۔۔

چچا: لیکن ویکن کچھ نہیں۔ زیادہ افلاطون بننے کی کوشش مت کرو۔
سب جائیں گے اَمامی تُو بھی تیار ہو جا۔
چچی: ننھے جاؤ بیٹا تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ۔
ننھا: اَماں مُجھے ڈر لگ رہا ہے، اَبا ضرور وہاں کچھ
گڑبڑ کریں گے، ہماری پرنسپل پہلے ہی بہت غصّے والی ہیں۔
چچی: بس بیٹا دعا کرو۔
ننھا: اَماں۔ اَبا سب کو لےکر جا رہے ہیں
کارڈ تو صرف ماں باپ کے لئے ہے۔
چچی: بیٹا میں کیا کروں تمہارے اَبا ٹھہرے ایک نمبر ضِدّی۔
اَب دیکھو کیا ہوتاہے۔
(خُدا خُدا کر کے سب تیار ہوتے ہیں اور اِسکول پہنچتے ہیں۔
چچا سب کو لئے ہال میں داخل ہوتے ہیں)۔
ٹیچر: آپ یہاں تشریف رکھیے۔
چچا: (بیٹھتے ہی) لو بھئی وقت پر پہنچ گئے۔ شُکر ہے جگہ بھی اَچھی مل گئی۔
محمود: اَبا ذرا آہستہ بولیے۔ لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔
چچا: (زورسے) ہم کہاں زور سے بول رہے ہیں۔ اےلو! ننھے کا ڈرامہ شروع ہوگیا۔
لاؤ جلدی کیمرا پکڑاؤ۔
گڑیا: اَبا مہربانی کریں کیمرا رہنے دیں۔
چچا: واہ بھئی کیوں رہنے دیں۔ ایسے موقع باربار تھوڑی آتے ہیں۔ (چچا کیمرا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں)
ایک آدمی: صاحب آپ میرے سامنے آرہے ہیں۔ (چچا ذرا سرک جاتے ہیں)
ایک عورت: ذرا آپ میرے آگے سے ہٹ جایئے۔ (چچا دوسری طرف سرک جاتے ہیں)
دوسرا آدمی: بھائی صاحب ذرا ایک طرف ہو جائیں گے؟ مُجھے کُچھ نظر نہیں آرہا۔
چچا: (زورسے) لاحول ولاقوۃ۔ تصویر کھینچنا مشکل کر دیا۔
ٹیچر: مِسٹر چھکّن آپ تصویریں نہ کھینچیں۔ اِسکول کا فوٹوگرافر تصویریں لے رہا ہے۔ آپ کو مِل جائیں گی۔

چچا: اَچھا بھائی بیٹھے جاتے ہیں! (محمود سے) دیکھا ننھا کتنا پیارا لگ رہا ہے۔

(زور زور سے تالیاں بجاتے ہیں)

چھٹن: اَبا تالیاں نہ بجائیں۔

چچا: لو بھئی اَب تالیاں بجانا بھی منع ہے۔ یہاں کا تو دستور ہی نرالا ہے۔

گڑیا: اَبا خدا کے واسطے چُپ ہوجائیں۔

چچا: (کھڑے ہوتے ہوئے) بَس بھئی ہم تو اَب چلتے ہیں۔

ویسے بھی ننھے کا ڈرامہ تو ختم ہو ہی گیا ہے۔

چھٹن: اَبا پورا پروگرام دیکھ کر جائیں گے۔ اَبھی تو بچوں کو اِنعام بھی مِلیں گے۔

چچا: کیا ننھے کو بھی اِنعام مل رہا ہے؟

گڑیا: نہیں، اَبا ننھے کو اِنعام نہیں مِل رہا۔

چچا: تو پھر ہمیں بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہمارے پاس کوئی فالتو وقت ہے جو بیٹھے پورا پروگرام دیکھتے رہیں۔ چلو اُٹھو۔

(سب خاموشی سے سر جھکائے چچا کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔)

سب کا شرمندگی کے مارے برا حال ہے لیکن کیا کریں، دنیا کی کوئی طاقت چچا چھکّن کو بدل نہیں سکتی جیسے وہ ہیں ویسے ہیں۔ بس دُعا کر سکتے ہیں اَللہ آئندہ ہمیں ایسی صورتِ حال میں نہ ڈالے۔

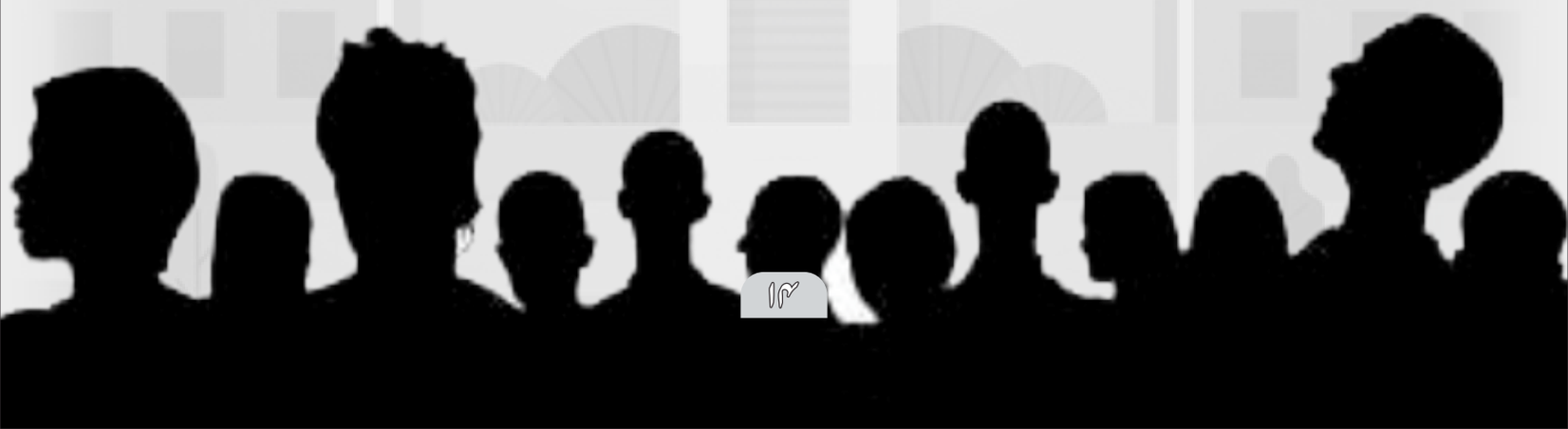

جادوگر کا تماشہ

میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی۔ اُس دن ایک جادوگر ہمارے اِسکول میں کرتب دِکھانے آیا تھا۔ساری کلاسوں کے بچے اِسٹیج کے سامنے والے گراونڈ میں جمع ہو گئے۔ بچے بہت خوش تھے اور خوب باتیں کر رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ اَچانک جادوگر کالی ٹوپی اور کالی واسکٹ پہنے اِسٹیج پر نظر آیا۔

سب ایک دم خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں جب ٹیچرز نے تالیاں بجائیں تو سب بچے بھی تالیاں بجانے لگے۔ میں آنکھیں پھاڑے اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اَصل میں، میں اُس سے بہت ڈر گئی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ مجھے پکڑ کر اَپنے ساتھ لے جائے گا۔ میں بیٹھی بھی سب سے آگے والی لائین میں تھی۔ جادوگر نے طرح طرح کے کرتب دِکھانے شروع کیے۔ کبھی اُس نے خالی ڈِبے میں سے پھولوں کا گُلدستہ نکال کر دِکھایا اور کبھی اَپنی ٹوپی میں اَنڈہ ڈال کر اُس میں سے کبوتر نِکال لِیا۔ اُس وقت تو میں حیران ہی رہ گئی جب اُس نے اَپنے خالی ہیٹ کو سر پر رکھا اور اُتارا تو اُس میں ایک خرگوش بیٹھا تھا۔ خرگوش نے ہیٹ سے چھلانگ لگائی اور تیزی سے اُچھل کر بھاگا۔ میں بھی اُس کے پیچھے دوڑی اور اِسکول

کے گیٹ سے باہر۔ اَب خرگوش آگے آگے تھا اور میں اُس کے پیچھے پیچھے۔ وہ جِتنا تیز بھاگ رہا تھا، میں بھی اُتنی ہی تیزی سے اُس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ پتا نہیں ہم کہاں سے کہاں نِکل آئے۔ ہر طرف درخت ہی درخت تھے۔ زمین پر سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ہمارے بھاگنے سے اِن پتوں میں سے جو آواز آ رہی تھی اُس سے مُجھے بہت ڈر لگ رہا تھا لیکن اُس خرگوش میں کیا جادو تھا کہ میں اُس کے پیچھے بھاگتی ہی چلی جا رہی تھی۔ اَچانک بادل گرجنے کی آواز آئی۔ گہرے کالے بادلوں سے ہر طرف اَندھیرا چھا گیا تھا، زور سے بجلی چمکتی اور پھر بادل گرجتے۔

میں نے دیکھا کہ وہ خرگوش بھاگتے بھاگتے ایک جھونپڑی میں گھُس گیا۔ بیچ جنگل میں یہ ایک ٹوٹی پھوٹی اور اَندھیری سی جھونپڑی تھی۔ میں بھی بھاگتی ہوئی اُس میں داخِل ہو گئی۔

ہر طرف گہرا اَندھیرا تھا۔ کُچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں کسی چیز سے ٹکرا کر گر گئی۔ مُجھے بہت زور سے چوٹ لگی شاید خون بھی نکل رہا تھا۔ خرگوش پھر باہر بھاگا اور میں بھی اُس کے پیچھے دوڑی۔ خرگوش تو نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میں اَبھی اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہی تھی کہ سامنے سے ایک موٹا اور لمبا سا آدمی آتا ہوا نظر آیا۔ وہ اِتنا خوفناک تھا کہ میں بری طرح ڈر گئی اور میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔

میں چیخنا چاہتی تھی لیکن میری آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ شخص میرے قریب آرہا تھا اور میں پیچھے پیچھے جا رہی تھی کہ میری ٹکر ایک درخت سے ہوئی۔ اَب وہ آدمی میرے بالکل قریب آچکا تھا۔ اُس نے موٹی اور ڈراؤنی آواز میں مُجھ سے پوچھا، اے لڑکی تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں نے ڈر کے مارے تیزی سے بھاگنا شروع کر دِیا۔ مجھے اَپنے پیچھے اُس آدمی کے بھاگنے کی آواز آرہی تھی۔ میں زور سے چیخ کر اَمی کو بلانا چاہتی تھی لیکن میری آواز نہیں نِکل رہی تھی اور ٹانگوں میں بھاگنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ آخر وہ موٹا اور ڈراؤنا آدمی میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے مجھے گھُور کر دیکھا اور بولا، لڑکی تم میرے خرگوش کو پکڑنے آئی تھیں؟

تم جانتی نہیں وہ میرا خرگوش ہے۔ میں ایک بہت بڑا جادوگر ہوں۔ میرے پاس بہت طاقت ہے۔ تم جانتی ہو میں اَپنے جادو کی طاقت سے اُس خرگوش کو جو چاہوں بنا سکتا ہوں۔ تم دیکھنا چاہتی ہو میرا جادو؟ اَبھی دیکھو میں اِس خرگوش کو ڈائیناسور (Dinosaur) میں تبدیل کرتا ہوں۔ اُس نے خرگوش کو نہ جانے کیا عجیب سا نام لے کر بُلایا۔ خرگوش دوڑتا ہوا درختوں سے باہر آ گیا۔

نہ جانے اُس آدمی نے اَپنی بھاری سی آواز میں کیا اَلفاظ بولے کہ خرگوش غائب اور میرے سامنے ایک لمبا چوڑا ڈائیناسور کھڑا تھا۔ میرے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی، بچاؤ! اور میں بےہوش ہو گئی۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر ہلایا تو میں ہوش میں آئی۔ دیکھا تو میرے ساتھ بیٹھی ہوئی دوست ہنس رہی تھی۔ بچاؤ بچاؤ کیوں کہہ رہی تھیں تم؟

اَب میں پوری طرح جان چکی تھی کہ میں تو اِسکول کے بچوں کے ساتھ جادُوگر کے کرتب دیکھ رہی تھی۔ جادُوگر اَب بھی کرتب دِکھانے میں مصروف تھا۔ بچے خوب مزے سے اُس کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ میں نے بھی خوش ہو کر تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ شکر ہے میں نے جو بھی دیکھا وہ سچ نہیں تھا۔ اَگر وہ سچ ہوتا تو ڈائیناسور اَب تک مجھے کھا چکا ہوتا۔۔۔

موسموں کی کہانی

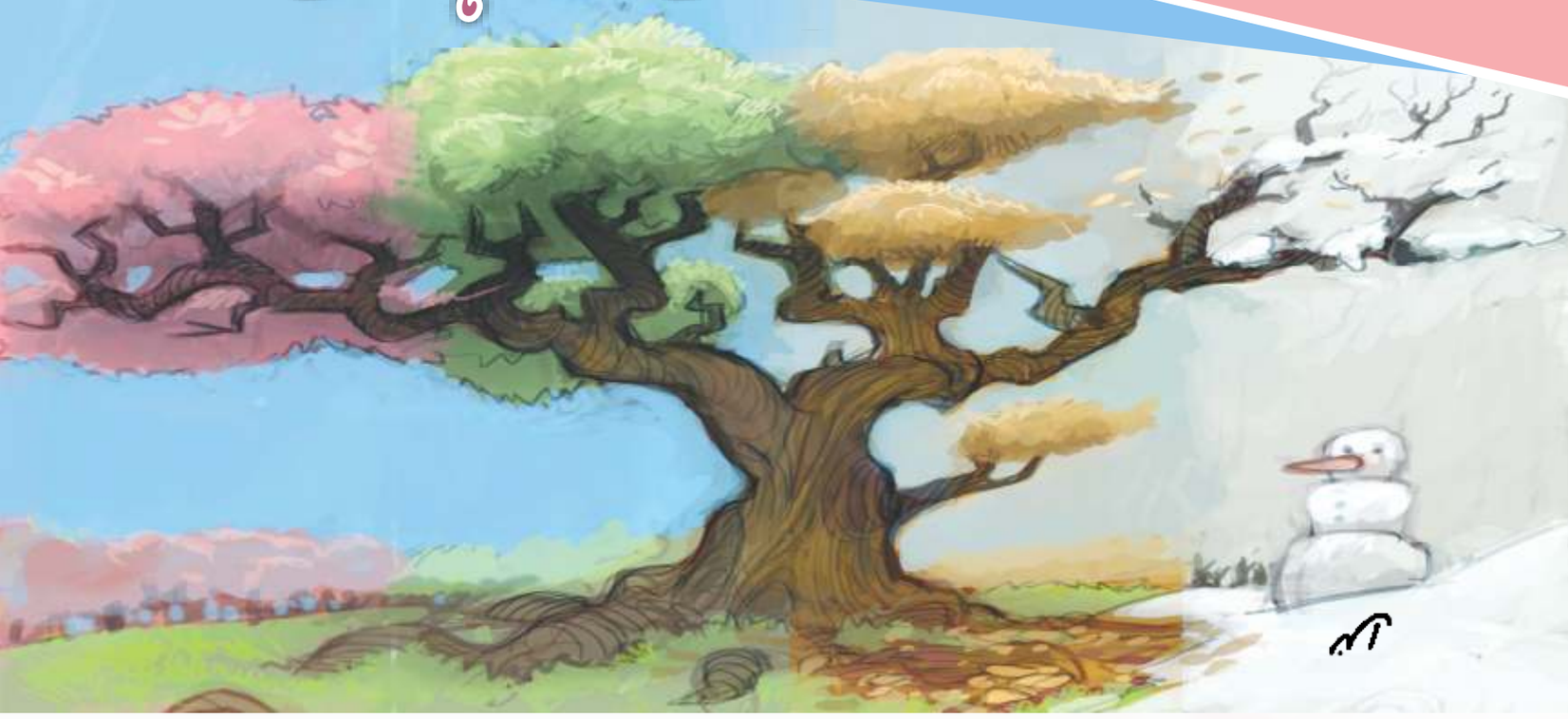

بچوں! آج میں آپ کو موسموں کی کہانی سناتی ہوں۔ اَللہ نے ہمیں کئی طرح کے موسم عطا کیے ہیں اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے، ورنہ ایک ہی طرح کے موسم ہوتے تو ہم تنگ آ جاتے۔ میری کہانی بھی اِسی کے متعلق ہے۔

ایک دن ایک بوڑھی عورت جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گئی۔ وہ روز ہی کبھی کنوئیں سے پانی بھرنے، کبھی چکّی سے آٹا پسوانے اور کبھی کھانا پکانے کیلئے لکڑیاں جمع کرنے جاتی تھی۔ آج بھی وہ لکڑیاں اِکٹھی کر رہی تھی کہ اُسے دو لڑکیوں کے لڑنے اور بحث کرنے کی آواز آئی۔ وہ اَپنا کام چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ دونوں کسی بات پر زور زور سے بولتی آرہی تھیں۔ جب بوڑھی عورت کو دیکھا تو بولیں، "چلو! اُن بڑی بی سے اَپنے جھگڑے کا فیصلہ کروا لیں۔" یہ کہہ کر وہ بُڑھیا کے قریب آ گئیں اور بولیں، "بڑی بی! آپ بہت نیک اور دیکھنے میں بہت عقل مند نظر آتی ہیں، ذرا ہمارا مسئلہ تو حل کر دیں۔"

بڑی بی بولیں، "اَرے بھئی! مسئلہ تو تب حل کروں گی جب تم اَپنا تعارف کرواؤ گی کہ تم ہو کون اور کس بات پر اِتنی بحث کر رہی ہو؟"

وہ دونوں کہنے لگیں ، "اماں بی! ہم دو موسم ہیں۔" ایک بولی، میں سردی ہوں اور دوسری بولی میں گرمی ہوں۔ گرمی بولی، "اماں! میں کہتی ہوں میں سب سے اَچھی ہوں۔ یہ سردی میری بات مانتی ہی نہیں۔" سردی منہ بنا کر بولی، "بھلا میں کیسے مان جاؤں جب مُجھے معلوم ہے کہ میں سب سے خوبصورت ہوں اور سب مُجھے پسند کرتے ہیں۔ اَب آپ ہی فیصلہ کر دیجئے۔" بڑی بی سُن کر بولیں، "اَچھا اَب مجھے پتہ چلا یہ کیا بحث ہے۔ سنو! میں اَبھی مسئلہ حل کیے دیتی ہوں۔ لو بھئی سردی پہلے تم سنو۔ واہ! واہ! تمہارے کیا کہنے ہیں، تم سے زیادہ خوبصورت موسم تو کوئی ہے ہی نہیں۔ لوجی سردی آئی! تمہارے آتے ہی گرم کپڑے اور نرم نرم رضائیاں نِکل آئیں۔ غریب لوگ لکڑیوں سے آگ جلا کر ہاتھ تاپنے لگے۔ اَمیروں کے گھر ہیٹر جل گئے۔ مزیدار پھل، سبزیاں اور میوے کھائے جانے لگے۔ مالٹے اور کینو دھوپ میں بیٹھ کر کھانے کا کیا ہی مزا ہے۔ لحاف میں بیٹھ کر مونگ پھلیاں اور چلغوزے کھائے جا رہے ہیں، کبھی کھانے کے بعد گرماگرم گاجر کا حلوہ مزے لے کر کھایا جارہا ہے۔ واہ جی واہ! کیا مزے ہیں سردی صاحبہ آپ کے۔ درخت اَپنے سارے سوکھے پتے جھاڑ کر نئے اور ہرے بھرے لِباس پہننے کیلئے تیار ہو گئے۔ بھئی پہاڑوں پر بَرف باری کا نظارہ تو ایسا ہوتا ہے کہ مزا ہی آجاتا ہے۔ بچے بڑے سب بَرف باری دیکھنے کیلئے پہاڑوں کی سیر کو جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں سردی سے جم رہے ہیں، منہ سے بھاپ نِکل رہی ہے۔ بَرف کے گولے بنا بنا کر ایک دوسرے کو مارے جا رہے ہیں۔ بھئی اُن سب نظاروں کا تو لُطف ہی اور ہے۔ غرض سردی، میری پیاری سردی، تمہاری تعریف کرتے کرتے تو میں تھکتی نہیں۔"

یہ سُن کر سردی کی خوشی کی اِنتہا نہ رہی۔ اُچھل کر گرمی سے بولی، "دیکھا! میں نہ کہتی تھی میں سب سے اَچھی ہوں؟ چلو! اَب چلیں۔" بڑی بی بولیں، "اَرے بھئی! کہاں چلیں اَبھی گرمی کے بارے میں تو سنتی جاؤ۔ لوجی گرمی صاحبہ تشریف لائیں، تو سب ہی خوش ہوگئے۔ سردی سے جو خون جمے جا رہا تھا، اَب جسم میں خوب گردش کرنے لگا۔ ساری سُستی دُور ہو گئی۔ دِن لمبے اور راتیں چھوٹی ہوگئیں۔ دِن بڑے ہونے سے سب کام مکمل کرنے کیلئے خوب وقت ملنے لگا۔ درختوں نے اَپنا سبز لِباس پہن لیا،

نئے نئے پھول اور پودوں سے لوگوں کے باغ اور گھر سج گئے۔ شام ہوتے ہی بچے بڑے سب باہر گھومنے نکلنے لگے۔ تروتازہ ہوا نے طبیعت کو خوش کردیا۔ اَرے! میں پھلوں کے بادشاہ آم، کو تو بھول ہی گئی وہ بھی تو گرمی کا ہی تحفہ ہے۔ گرمی آتے ہی سارے پھل اور فصلیں پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ کیا بات ہے تمہاری واہ جی واہ! بچوں سے تو پوچھو جو سارے سال گرمیوں کی چھٹّیوں کا اِنتظار کرتے ہیں۔ پڑھنے لکھنے سے کچھ فُرصت ملتی ہے تو سیرسپاٹے کی فرمائش شروع ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی پارک میں، کبھی کسی پہاڑی مقام پر سیر کرنے کا پروگرام بن جاتاہے۔ بچوں کو آئیس کریم کھانے کی بھی اِجازت مِل جاتی ہے۔ سردیوں میں تو ماں باپ یہی کہتے رہتے ہیں، بھئی سردی میں آئس کریم نہ کھاؤ۔ رنگ برنگے خوبصورت اور ہلکے پھُلکے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ٹھنڈے ٹھنڈے شربت اور جُوس بھی تو گرمیوں ہی میں پینے کو ملتے ہیں۔ بھئی کیا خوب! گرمی کی تعریف کرتے تو میری زبان نہیں تھکتی۔ اَللہ نے بھی کیا خوب موسم بنایا ہے۔"اَب سردی اور گرمی دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ بڑی بی کو خوب اِنعام دیا اور آگے روانہ ہوگئیں۔ جب بڑی بی گھر واپس آئیں تو گھر والے بھی بہت خوش ہوئے۔ پڑوس میں جو لوگ رہتے تھے اُنہوں نے بھی اَپنی اَماں کو بھیجا کہ آپ بھی جائیں، وہ دونوں آپ کو بھی مِل جائیں گی۔ بڑی بی کافی بدمزاج اور غصّے والی تھیں۔ سب کے اِصرار کرنے پر چلی تو گئیں لیکن منہ پھُلا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ وہی دونوں لڑکیاں دوبارہ وہاں سے گزریں۔ سوچا چلو آج اِن اَماں جی سے بھی اَپنی تعریفیں سنیں۔ دونوں نے سلام کیا۔ وہ بولیں، "کیا ہے بھئی! کیوں تنگ کرتی ہو؟ ذرا آرام بھی نہیں کرنے دیتیں۔" سردی بولی، "اَماں! بَس ذرا یہ بتا دو کہ سردی اَچھی یا گرمی؟" وہ بولیں،"لاحول ولاقوۃ! میرے پاس اِتنا وقت نہیں کہ تمہارے فیصلے کراتی پھروں۔" دونوں موسموں نے پھر اُن کی خوشامد کی، "بڑی اماں! کچھ تو بتاؤ۔" اَماں تڑخ کر بولیں، "لوسنو! سردی پہلے تم سنو! تم سے خراب اور تکلیف دہ موسم تو کوئی ہے ہی نہیں۔ سردی آئی اور مصیبت آئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کام کرنے کا جی نہ چاہے۔ اِدھر نزلہ، کھانسی، اُدھر بخار۔

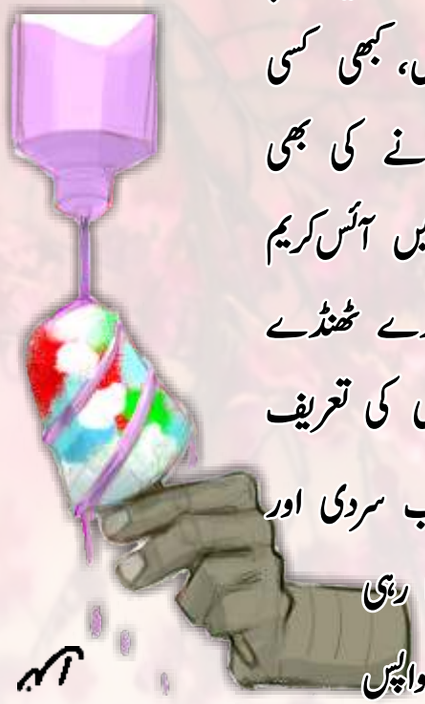

یہ دوا کھاؤ، وہ دوا کھاؤ۔ باہر نکلو تو ہر طرف ویرانی، درخت پتوں سے خالی ٹنڈمنڈ۔ لوگ موٹے موٹے سویٹر اور کوٹ پہنے جا رہے ہیں، بیچارا غریب گرم کپڑوں کے بغیر کانپ رہا ہے۔ یہ ہیں تمہارے کارنامے۔" گرمی بولی، "اَچھا اَب میرے بارے میں تو کُچھ بتائیں، میں تو آپ کو بہت پسند ہوں گی؟" بُڑھیا بولی، "ہاں! ہاں! کیوں نہیں۔ تمہارا آنا تو عذاب ہے۔ ہر کوئی پسینے میں شرابور، نہ اَندر چین نہ باہر۔ اے سی چلے تو سانس آئے، لیکن بجلی کا بِل توبہ! توبہ! غریب بیچارہ ہاتھ کا پنکھا جَھل جَھل کر گزارا کرے۔ گرمی کا ایک اور سب سے بڑا عذاب مچھر اور طرح طرح کے کیڑے مکوڑے۔ اَللہ معاف کرے! بارش کا اِنتظار کرتے رہو اور جب بارش ہو تو پانی، مٹی، کیچڑ اور گندگی برداشت کرو۔ سیلاب سے فصلوں اور گھروں کی تباہی۔ کیا کہنے ہیں تمہارے! اَب سُن لی اَپنی تعریف یا اور سناؤں؟ جاؤ بھئی میرا پیچھا چھوڑو۔"

سردی اور گرمی کا جو حال تھا نہ پوچھو۔ بُڑھیا تو اَللہ جانے کیا کیا بولتی رہی، وہ دونوں یہ جا وہ جا۔ اِنعام تو کیا ملتا، گھر جا کر سب کا غصّہ اَلگ بُڑھیا پر نکلا۔ گھر والے بولے "ہمیں یقین ہے، آپ نے جھوٹے منہ بھی اُن کی تعریف نہیں کی ہو گی کہ آپ کو کوئی اِنعام ملتا۔" بُڑھیا پہلے ہی جلی بیٹھی تھی، اَب اور غصّہ آیا کہنے لگی، "میں اور کیا کرتی جو میرے منہ میں آیا میں نے خوب سنایا۔ چلو! اَب ہٹو! مُجھ سے کوئی بات نہ کرے ورنہ تم میرا غصّہ جانتے نہیں؟" یہ کہہ کر وہ چڑچڑی بُڑھیا منہ لپیٹ کر پڑ گئی۔

سلمان کا پنسل باکس

سلمان ایک لاپرواہ اور شرارتی بچہ ہے۔ پچھلے ہفتے اُس کی چھٹی سالگرہ پر اُس کے اَمی اَبا نے اُسے ایک بہت خوب صورت پنسل باکس لے کر دیا۔ اُس نے پنسل باکس میں ربڑ، پنسل، شارپنر اور فٹ رُولر ہر چیز رکھی۔ سلمان صاحب اَپنا بستہ اور پنسل باکس لے کر اِسکول کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں اُن کو جو شرارت سوجھی تو اُنہوں نے اَپنا بستہ خوب زور زور سے گھمانا شروع کردیا۔ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا، یعنی، بیگ کھُل گیا اور ساری چیزیں زمین پر گرگئیں۔

سلمان....اَرے یہ کیا؟ (اُس نے حیران ہوکر کہا۔) سب چیزیں بڑی بڑی ہوگئیں اور بولنے بھی لگیں۔

ربڑ..... ہائے اَللہ توبہ! آج تو اِس سلمان کے بچے نے حد ہی کر دی۔ ویسے ہی روز مجھے اِتنا رگڑتا ہے، آج تو اِس نے مجھے زخمی بھی کردیا۔

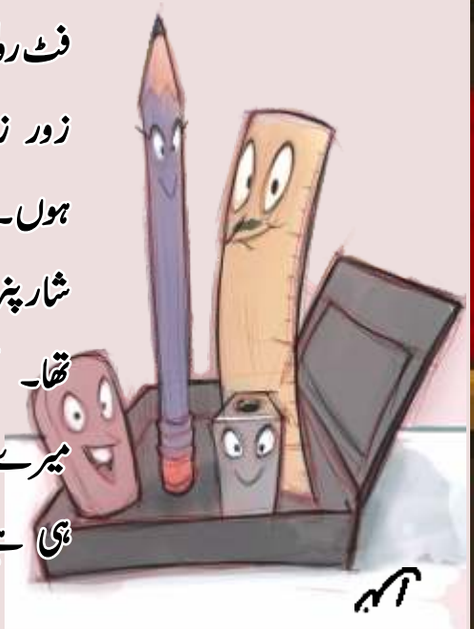

فٹ رولر..... سلمان تو سچ مُچ بہت ہی شیطان ہے۔ مُجھے اِتنے زور زور سے میز پر مارتا ہے کہ میں جگہ جگہ سے زخمی ہوچکا ہوں۔ اَب تو مُجھ سے ایک سیدھی لکیر بھی نہیں کھنچ سکتی۔

شارپنر.....ذرا میرا حال تو دیکھو۔ میں دکان میں کتنے آرام سے تھا۔ اَب تو ایک لمحے کا چین نہیں ہے۔ ہر وقت پنسلیں میرے پیٹ میں چُبھاتا رہتا ہے۔ چلو خیر! پنسل بنانا تو میرا کام ہی ہے، مگر بھلا مجھے منہ میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

فٹ رولر.....اَرے سب اَپنی اَپنی کہہ رہے ہو، ذرا پنسل بچاری کا حال تو پوچھو۔

پنسل..... مُجھ سے کیا پوچھتے ہو بھیا، میری تو اِس نے گردن ہی کاٹ ڈالی ہے۔ میں جیسے ہی بن کر تیار ہوتی ہوں اِس سے برداشت نہیں ہوتا۔ مُجھ سے اِتنا دبا کر لکھتا ہے کہ میں اِدھر بنی، اُدھر میرا سِکّہ ٹوٹا اور میرا سر پھر شارپنر کے اَندر۔

ربڑ.....مُجھے تو ہر وقت چُورا چُورا کرنے کے چکّر میں رہتا ہے، پتہ نہیں یہ خیال اِن کو کہاں سے آیا ہے۔

فٹ رولر..... اَرے خیالات تو اِن کے بہت اُونچے اُونچے ہوتے ہیں۔ کل ہی مجھے گھما گھما کر تلوار بازی کر رہے تھے۔

پنسل..... ہاں! شرارتوں میں اِن کا دماغ بہت چلتا ہے اور پھر چاہتے ہیں کہ ہم کام کرنے میں اِن کی مدد کریں۔

شارپنر..... جب ہمیں توڑ پھوڑ دینگے تو ہم اِن کے کیا کام آسکتے ہیں؟

(سلمان کو روتا دیکھ کر) اَب رو کیوں رہے ہو؟ تم ہی نے تو توڑ پھوڑ کے ہمارا ستیاناس کیا ہے۔

پنسل.....(سلمان سے) ہم تو اَب بھی تمہارے دوست ہیں۔ تمہاری ہر طرح مدد کرنا چاہتے ہیں۔

ربڑ..... لیکن ایک شرط پر۔

سلمان.....(روتے ہوئے) کون سی شرط؟

ربڑ..... **یہی کہ تم آئندہ ہمارا خیال رکھو گے اور ہمیں احتیاط سے اِستعمال کرو گے۔**

سلمان.....(زور سے روتے ہوئے) میں وعدہ کرتا ہوں! میں وعدہ کرتا ہوں!

(سلمان کے رونے کی آواز سُن کر اُس کی اَمی کمرے میں آتی ہیں۔)

اَمی...سلمان بیٹا کیا ہوا کیوں رو رہے ہو؟ اُٹھو صبح ہوگئی ہے۔ تم نے شاید کوئی خواب دیکھا ہے۔

وہ دِن اور آج کا دِن، سلمان نے کبھی اَپنی اِستعمال کی چیزوں کے ساتھ بُرا سُلوک نہیں کیا۔

اَمی نے بھی شُکر کیا کہ ایک خواب نے سلمان کو ایک سمجھدار اور ذمہ دار بچہ بنا دیا۔

وہ پڑھنے لکھنے میں بھی سنجیدہ ہوگیا اور ٹیچر بھی حیران تھیں

کہ اَب اِمتحان میں بھی وہ بہت اَچھے نمبروں سے

کامیاب ہونے لگا۔

چار جھگڑالو بھائی

یہ اُن چار بھائیوں کی کہانی ہے جو ایک ہی گھر میں رہتے ہیں لیکن ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں نہ کہ لڑنے جھگڑنے سے گھر کا سکون کس طرح خراب ہوتا ہے۔ چلیں ذرا اِن سب بھائیوں سے ملاقات کرتے ہیں۔

سب سے بڑا بھائی: (کچھ شرمندہ ہوکر بولا) یہ کیا ہوا ہمارے لڑائی جھگڑے کی بات تو سب کو پتہ چل گئی۔ یہ کتنی بدنامی کی بات ہے۔ ہمیں کچھ سوچنا چاہیے۔

دوسرا بھائی: (اُس کو بھی احساس ہوا) بھائی آپ تو سب سے بڑے ہیں۔ جب آپ ہی لڑائی میں سب سے آگے ہوتے ہیں اور دوسروں کا خیال نہیں رکھتے تو ایسا تو ہوگا۔ پھر بدنامی سے شرمندہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

تیسرا بھائی: ہمارے پڑوسی کہہ رہے تھے، اِس گھر سے ہر وقت بحث ومباحثے اور لڑائی کی آوازیں آتی رہتی ہیں لیکن اِن کی پرواہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

چوتھا بھائی: (بول ہی اُٹھا) ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال نہیں کریں گے تو بدمزگی تو ہو گی۔ بھئی میں تو تنگ آگیا ہوں اِس روزروز کے ہنگامے سے۔

اَرے بچو! آپ نے اِن چاروں کو پہچانا کہ یہ کون ہیں؟ یہ اور کوئی نہیں، ہمارے پیارے ملک پاکستان کے چار صوبے ہیں۔ کیوں بھئی اگر لڑنے سے فُرصت مل گئی ہو تو ذرا پڑھنے والوں سے اَپنا تعارف کروا دیجئے۔

بڑابھائی: میں بتاتا ہوں۔ میں پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ، پنجاب ہوں۔

دوسرابھائی: میں صوبہء سندھ ہوں۔ وہ واحد صوبہ جہاں سے اِسلام اِس علاقے میں آیا۔ اِسی لئے مجھے بابُ الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔ میں اَپنے لِباس اور رنگ برنگی دستکاری کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہوں۔

تیسرابھائی: میرا نام صوبہء سرحد تھا جو اَب بدل کر خیبرپختونخواہ رکھ دیا گیا ہے۔ لیکن اَفسوس ہے، نام بدلنے سے بھی میرے حالات نہیں بدلے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ میں بھی تو اِسی گھر میں رہتا ہوں۔ میری ناراضگی ٹھیک ہے یا نہیں؟

چوتھا بھائی: میں تو سب سے مظلوم ہوں۔ نا میری بات کوئی سنتا ہے اور نہ کسی کو میری پرواہ ہے۔
اِس شور اور ہنگامے کی آواز سُن کر دو خواتین اِس بحث میں کود پڑیں۔
پہلی عورت: اِتنا غصّہ نہ کرو۔ مجھے بتاؤ کِس بات پر جھگڑ رہے ہو اور تم چاروں کے نام کیا ہیں؟
دوسری خاتون: اَری بہن تم اِن کو پہچانتی نہیں؟ یہ پاکستان کے چاروں صوبے، پنجاب، سندھ، خیبرپختونخواہ اور بلوچستان ہیں۔ یہ تو ہمیشہ لڑتے ہی رہتے ہیں، ہم کیوں اِن کے جھگڑے میں پڑیں۔ اِن سے تو دُور ہی رہو۔
پہلی خاتون: نہیں بہن، ہماری کوشش سے کسی کا مسئلہ حل ہو جائے تو اِس سے اَچھی بات اور کیا ہو گی۔ ٹھہرو مُجھے اِن سے بات کرنے دو۔
دوسری خاتون: میرا خیال ہے ہمیں اَپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اِن کو اِن کے حال پر چھوڑ دو۔
پہلی خاتون: نہیں نہیں بھائیوں کا آپس میں اِس طرح لڑنا بہت بُری بات ہے۔ اَچھا تم لوگ ایک کام کرو۔ مجھے باری باری یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس سب سے قیمتی چیز کون سی ہے؟
پنجاب: میرے پاس تو پانچ بڑے بڑے دریا ہیں، جو میری زمین کو سرسبز بناتے ہیں۔ خوب اَناج اور پَھل اور سبزیاں اُگتی ہیں۔ کھیت اِتنے خوبصورت لگتے ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا۔
سندھ: میرے پاس سمندر ہے، جہاں سے ساری تجارت ہوتی ہے۔ سب سے بڑا تجارتی مرکز کراچی بھی میرے پاس ہے۔ اِس کے علاوہ مچھلیوں اور دوسرے سمندری جانوروں کا کاروبار بھی تو میری وجہ سے ہوتا ہے۔
خیبرپختونخواہ: میرا کیا پوچھتی ہیں؟ میرے پاس تو وہ کچھ ہے جو کسی کے پاس بھی نہیں۔ اُونچے اُونچے پہاڑ، چشمے، ڈیم اور پہاڑوں سے نکلنے والی بےشمار قیمتی چیزیں بھی پاکستان کو میری وجہ سے ہی نصیب ہیں۔ لیکن کوئی قدر کرنے والا نہیں ہے۔
بلوچستان: آخرکار مجھے بھی بولنا ہی پڑا۔ اَول تو رقبے کے حساب سے میں سب سے بڑا ہوں۔ اِس کے علاوہ، گوادر کی جدید بندرگاہ، سوئی گیس اور زمین میں چُھپے ہوئے بےشمار معدنیات کے خزانے اِس ملک کے کام آتے ہیں۔ توانائی کے بحران کے اِس دور میں آپ اِن چیزوں کی اہمیت تو جانتی ہی ہوں گی۔
پہلی خاتون: اَرے تو پھر اِس میں مشکل کِس بات کی ہے، تم سب تو بہت خوش قسمت ہو۔
دوسری خاتون: نیک بی بی تم جانتی نہیں ہو، یہ لوگ سب بہت خود غرض ہیں۔ ایک دوسرے کو حاصل نعمتوں سے مِل جُل کر فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے۔ بس تم اَب چلو یہاں سے۔ ہمارے کام کا حرج ہو رہا ہے۔

پہلی خاتون: نہیں نہیں ہمیں اِن کی صُلح کروانی ہی ہوگی۔ اَچھا بھائیوں اَگر تم اَپنے جھگڑے ختم کر کے مِل جُل کر رہنا چاہتے ہو تو میری بات غُور سے سنو! تم جانتے ہو جِس گھر کے لوگ پیار محبت سے نہیں رہتے، اُس گھر میں کبھی اَللہ کی رحمت اور خوشحالی نہیں آتی۔

سندھ: اَماں جی! پھر آپ بتایئے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

دوسری خاتون: اوہو! بیچارے اِتنے بھولے ہیں، کچھ جانتے ہی نہیں؟

پہلی خاتون: توبہ ہے! تم تو ٹی وی پر ایک بدمزاج بُڑھیا کا رول بہت اَچھا کر سکتی ہو۔

دوسری خاتون: اور تم اِن سے اِتنی میٹھی باتیں کر رہی ہو جیسے یہ تمہیں اِنعام میں اَشرفیوں کی تھیلی دینے والے ہیں۔

خیبرپختونخواہ: (دوسری خاتون سے) آپ ذرا خاموش ہو جائیں۔ کوئی اَچھی بات کرنی نہ آئے تو خاموش رہنا بہتر ہوتا ہے۔ اَماں جی آپ بولیئے، کیا کہنا چاہ رہی تھیں آپ؟

پہلی خاتون: دیکھو بیٹا! تم سب کے پاس کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہے جو دوسرے کے پاس نہیں۔ کیوں ہے نہ ایسا؟ اَب اِس کا حل یہ ہے کہ ہر صوبہ اَپنی حاصل شدہ نعمتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بانٹ کر اِستعمال کرے۔

پنجاب: ہاں! ہم سمجھ گئے۔ مثلاً میرے پاس جو اَناج، پھل اور سبزیاں ہیں وہ میں دوسرے صوبوں کو دوں۔

خیبرپختونخواہ: اور میں اِن چیزوں کے بدلے تمہیں بجلی دوں۔ اسی طرح بلوچستان کی سوئی گیس سب کے کام آئے۔ آپ ایسا ہی کہہ رہی ہیں نہ؟

پہلی خاتون: ہاں شاباش! کیا بات ہے، تم لوگ تو کافی عقلمند ہو۔ اِتنی جلدی میری بات سمجھ گئے۔ پھر تو مسئلہ ہی ختم ہوگیا۔ دیکھو بیٹا، جِس مُلک کے تم سب صوبے ہو، یہ ملک ہمارے بزرگوں نے بہت محنت اور قربانیوں سے حاصل کیا تھا۔

دوسری خاتون: جی ہاں! اور یہ اِتنی ہی محنت سے اِسے توڑنا اور خراب کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی خاتون: میری بات غور سے سنو۔ **ایک آزاد اور خودمختار مُلک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے۔ ہمیں اِس کی قدر کرنی چاہیے۔ کاش ہم یہ بات جان جائیں کہ یہ ملک ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔** اِس کا ہر صوبہ ایک دوسرے سے ایسے جڑا ہے، جیسے مالا کے اَندر موتی۔ اَللہ سے دُعا ہے کہ ہمارا یہ پیارا مُلک پاکستان ہمیشہ شاد اور آباد رہے۔

آلودگی اور ماحول کی گندگی

ایک دن حامد اور اُس کی بڑی بہن ایمن گھر میں اکیلے تھے۔ اُن کے اَمی اور اَبا کسی ضروری کام سے کہیں باہر گئے تھے۔ ایمن تو اَپنے کام میں لگی ہوئی تھی، لیکن حامد کچھ پریشان سا اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ کبھی ڈائری اُٹھاتا، کبھی کتاب اور کبھی کاپی پنسل لے کر کچھ لکھنے کی کوشش کرتا۔ ایمن یہ سب دیکھ رہی تھی۔ آخر وہ بول ہی پڑی۔

ایمن: حامد تم کافی پریشان لگ رہے ہو، آخر بات کیا ہے؟

حامد: آپا مجھے آج کافی مشکل ہوم ورک مِلا ہے۔ ٹیچر نے کلاس میں کافی اَچھا سمجھایا بھی تھا، لیکن میں نے اُس وقت غور سے نہیں سُنا اور اَب ہوم ورک کرنے بیٹھا ہوں تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔

ایمن: آخر وہ کون سا اِتنا مُشکل موضوع ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آیا؟

حامد: ہمارا موضوع، ماحولیات اور آلودگی کے بارے میں تھا۔ اَب مجھے یہ کام مِلا ہے کہ میں بتاؤں کہ ماحولیاتی آلودگی کیا ہوتی ہے اور ہمارا اِردگرد کا ماحول (یعنی Environment) کِس طرح اور کِن چیزوں سے خراب اور آلودہ ہوتا ہے۔

ایمن: اچھا ٹھہرو! میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ دیکھو میں اِن چار کرداروں سے تمہاری ملاقات کرواتی ہوں۔

۱۔ کوڑا کرکٹ۔

۲۔ دھواں۔

۳۔ سمندری آلودگی۔

۴۔ شور شرابہ۔

یہ وہ چار چیزیں ہیں جِن سے ہمارا ماحول خراب اور گندا ہوتا ہے۔

پہلے کوڑے کرکٹ کو دیکھو، اِس میں سے کتنی بدبو آ رہی ہے۔ یہ سب وہ کوڑا اور گندگی ہے جو ہم لوگ سڑکوں، گلیوں، مُحلّوں اور بازاروں میں پھینکتے ہیں۔ اِس وقت اِن کو دیکھ کر تمہیں کتنا بُرا محسوس ہو رہا ہو گا۔ لیکن ہم اُس وقت بالکل پرواہ بھی نہیں کرتے اور نہ سوچتے ہیں۔ جب ہم لوگ یہ کوڑا اور گندگی (مثلاً کاغذ، تھیلیاں، پھلوں اور سبزیوں کے چھلکے اور گھروں کا کوڑا) راہ چلتے جگہ جگہ پھینکتے ہیں بغیر سوچے کہ اِس کوڑے سے ہمارا ماحول کتنا گندا ہو جاتا ہے۔

حامد: آپا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ بازاروں، پارکوں اور اِسکولوں میں مختلف مقامات پر کوڑا پھینکنے کے ڈرم اور ڈِبے پڑے ہوتے ہیں لیکن ہم اُن میں کوڑا ڈالنے کے بجائے راہ چلتے بلکہ اکثر چلتی گاڑی میں سے ہاتھ نکال کر کوڑا سڑک پر پھینک دیتے ہیں۔

ایمن: ہم یہ سوچتے بھی نہیں کہ اِس طرح کِتنی آلودگی، بدبو اور جراثیم پھیلتے ہیں اور یہ جراثیم کتنی بیماریوں کی وجہ بنتے ہیں۔

حامد: اور آپا یہ کون ہیں جن کے منہ، ہاتھ اور کپڑے بالکل کالے اور دھبوں سے بھرے ہوئے ہیں ؟

ایمن: گھبراؤ نہیں اَبھی پتہ چل جائے گا۔ اِن کے کپڑوں اور ہاتھوں اور منہ پر وہ دھواں جما ہوا ہے جو دِن بھر گاڑیوں، کارخانوں اور اِینٹوں کے بھٹوں سے نکلتا ہے۔ اَب تم سوچو گے، بھٹّے کیا ہوتے ہیں۔ اَرے بھائی بھٹّے اُن کارخانوں کو کہتے ہیں جِن میں اِینٹوں کو پکایا جاتا ہے جو پھر گھر بنانے کیلئے اِستعمال ہوتی ہیں۔ اِن کی بڑی بڑی چمنیوں

میں سے سارے دِن دھواں نکلتا رہتا ہے اور ہوا میں شامل ہوتا رہتا ہے۔ اَب تو یہ دھواں ہوا میں اِتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ سڑکوں پر سفر کرنا ناممکن بن گیا ہے۔ راستہ نظر آنا مشکل ہو جاتا ہے۔

حامد: اوہو! یہ دھواں تو ہم سانس کے ساتھ اَپنے پھیپھڑوں (lungs) میں لے جاتے ہیں۔ ٹیچر بتا رہی تھیں ہوا میں موجود یہ دُھواں ہماری صحت کے لئے بہت بُرا ہوتا ہے۔ اِس سے طرح طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں۔

اَچھا! تو یہ ہے ہوا کی آلودگی۔ آپا! میں سوچتا ہوں جِن گاڑیوں میں سے کالا دھواں نکلتا ہے، پولیس والے اُن گاڑیوں کو روکتے کیوں نہیں؟ ایسی گاڑیوں کا چالان ہونا چاہیے۔ ہیں نہ آپا؟

ایمن: تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔ اَب ذرا اِس شور کو دیکھو جو نہ ہمیں گھر میں چین سے بیٹھنے دیتا ہے اور نہ گھر سے باہر کانوں کو آرام ملتا ہے۔ دیکھو ہمارے پڑوسیوں نے کتنی اُونچی آواز میں میوزک لگا رکھا ہے۔ کان کے پردے پھٹنے والے ہیں ۔ یہ شورشرابہ بھی آلودگی کی ایک قسم ہے۔

حامد: ہاں! مجھے یاد آیا، ٹیچر نے بتایا تھا اِسے Noise Pollution کہتے ہیں۔ اُونچی آواز میں میوزک سننا، گاڑیوں کے کان دُکھانے والے ہارن، پھیری والوں کا چِلّاچِلّا کر سودا بیچنا اور گاہکوں کو متوجہ کرنا، کلاس اور بریک میں ہونے والا بے ہنگم شور بھی تو اِسی آلودگی کا حصہ ہے۔

ایمن: اُونچی آواز میں ٹی وی سننا اور کارٹون دیکھتے ہوئے ٹی وی کی آواز اِتنی تیز کرنا کہ گھر بھر پریشان ہو جائے۔ اِس کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟ اَفسوس یہ ہے کہ اِن کرخت اور تکلیف دہ آوازوں میں بہت سی خوبصورت آوازیں دب جاتی ہیں۔ مثلاً چڑیوں کے چہچہانے کی اور ہلکی ہلکی بارش اور بوندا باندی کی خوبصورت آواز سنائی ہی نہیں دیتی۔

حامد: آپا! ٹیچر ایک اور آلودگی کے بارے میں بھی بتا رہی تھیں۔ اُنہوں نے اُسے سمندری آلودگی کہا تھا۔ ذرا اُس کے بارے میں بھی کچھ بتایئے۔

ایمن: ہاں! یاد کرو، تم تو سمندر کے کنارے گئے تھے۔ کِتنی خوبصورت جگہ تھی۔ پانی کی لہریں آرہی تھیں اور ساحِل سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں، لیکن ذرا سوچو، سمندر کے کنارے لوگوں نے کِتنا کوڑا کرکٹ پھینکا ہوا تھا۔ خالی ڈِبے، تھیلیاں اور چھِلکے سب ہر طرف بِکھرے پڑے تھے۔ پچھلے دنوں سمندری جہاز کا تیل سمندر میں بہہ گیا تھا۔ یہ اِتنی افسوسناک آلودگی تھی کہ بہت سی مچھلیاں اور پانی میں رہنے والے جانور بیچارے مرگئے تھے۔ یہ طرح طرح کی آلودگی دنیا کے رہنے والوں کیلئے بہت تکلیف دہ ہوتی ہے اور اَگر اِس کا خیال نہ رکھا گیا تو ہماری آنے والی نسلیں بہت نقصان اُٹھائیں گی۔

حامد: آپا! اَب مجھے ہر قسم کی آلودگی کے بارے میں بہت اَچھی طرح پتہ چل گیا ہے۔ میں اَپنا ہوم ورک کرنے جا رہا ہوں۔

ایمن: ہوم ورک تو کر ہی لو گے، **لیکن آج ہم نے آلودگی کے بارے میں جو باتیں کی ہیں، ہمیں چاہیے زندگی میں اِن باتوں کا خیال رکھا جائے تاکہ ہم دنیا میں کسی قسم کی آلودگی پھیلانے کی وجہ نہ بنیں۔**

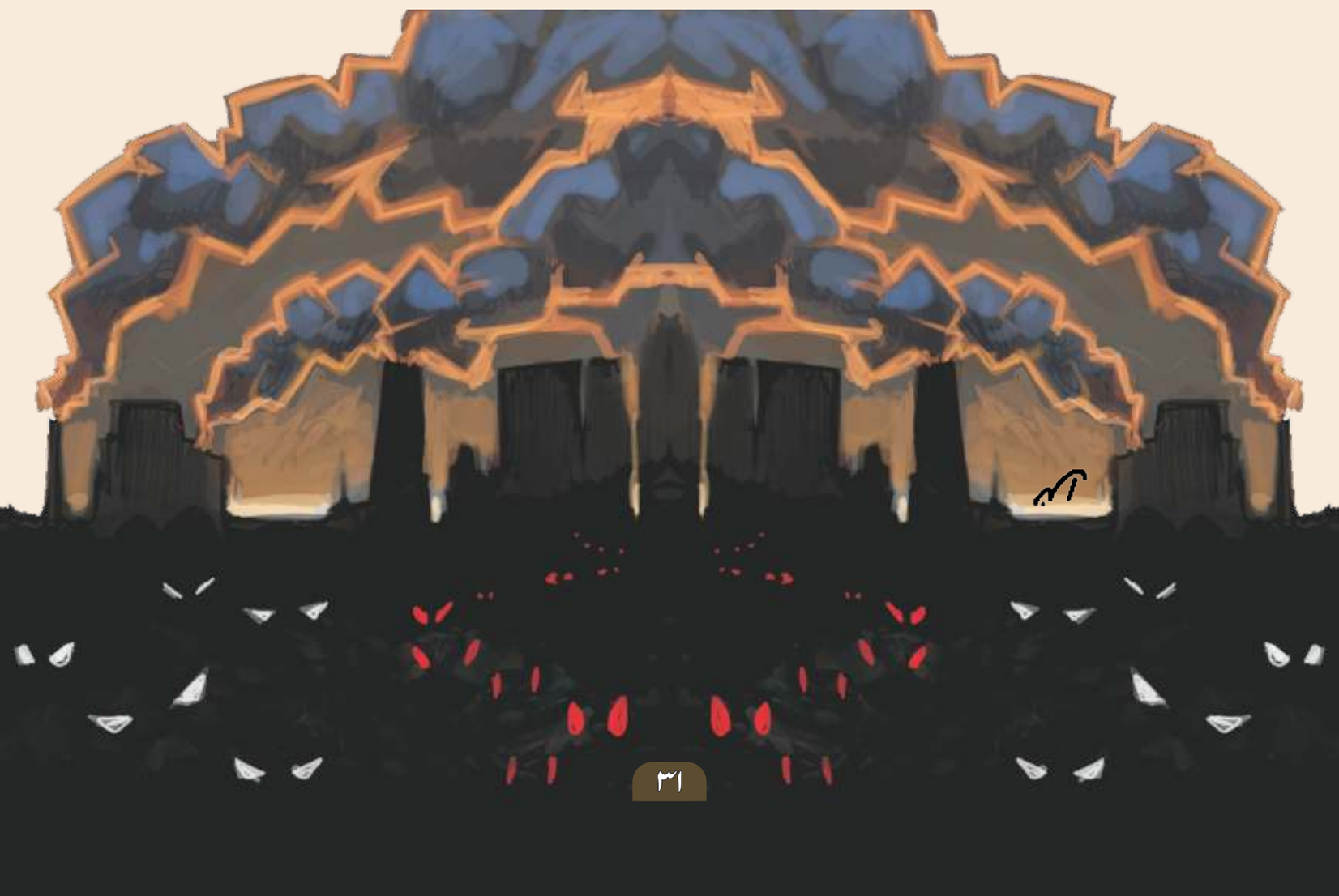

مالینگ اور جادو کا برش

(چینی کہانی سے ماخوذ)

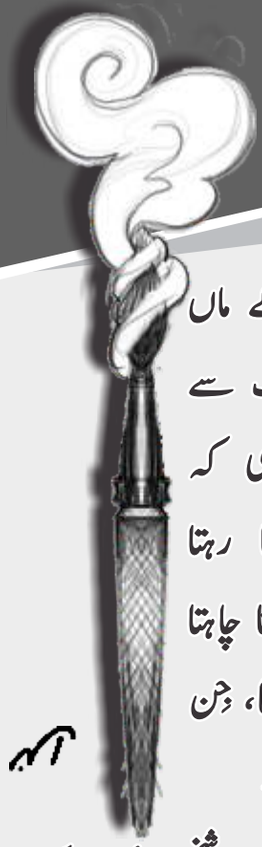

یہ ایک چینی لڑکے مالینگ کی کہانی ہے۔ مالینگ ایک غریب لڑکا تھا۔ اُس کے ماں باپ بھی اَب اِس دنیا میں نہیں تھے۔ مالینگ کے پاس اِتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ ٹھیک سے کھانا کھا سکتا یا اِسکول میں تعلیم حاصل کرسکتا، لیکن ایک خوبی جو اُسے اَللہ نے دے رکھی تھی کہ وہ تصویریں بہت اَچھی بناتا تھا، یعنی وہ ایک پیدائشی آرٹسٹ تھا۔ وہ سارے دِن اِدھراُدھر گھومتا رہتا اور جلی ہوئی لکڑی اور کوئلے سے گاؤں کی دیواروں پر تصویریں بناتا۔ وہ ایک بڑا آرٹسٹ بننا چاہتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ کاش میرے پاس اِتنے پیسے ہوتے کہ میں پینٹ برش اور رنگ خرید سکتا، جِن سے میں خوب رنگ برنگی تصویریں بناتا۔ ایک دِن اِسی کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔

اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص اُس کے پاس آیا ہے اور کہہ رہا ہے، "مالینگ بیٹا! دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔ یہ لو یہ ایک جادو کا پینٹ برش ہے۔ اِس کا کمال یہ ہے کہ اِس برش سے تم جو چیز بھی پینٹ کرو گے وہ اَصلی ہوکر تمہارے سامنے آجائے گی۔

مالینگ یہ سُن کر حیران رہ گیا اور خوش ہو کر بولا، "اَرے یہ تو کمال ہی ہوگیا۔ آپ نے تو مجھے بہت اَچھی چیز دے دی۔ آپ بہت اَچھے اِنسان ہیں۔ اِس تحفے کا بہت بہت شکریہ۔" بوڑھا شخص بولا، "مالینگ تم بھی بہت اَچھے اور محنتی لڑکے ہو، میں چاہتا ہوں تم اِس برش سے بہت اَچھی اَچھی تصویریں بناؤ اور اَپنا شوق پورا کرو۔" یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا۔

جب مالینگ خواب سے جاگا تو اُس کے ہاتھ میں واقعی ایک برش تھا۔ اَب تو اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ خوشی اور حیرانی سے اِدھراُدھر بھاگتا پھر رہا تھا اور زور زور سے چلّا رہا تھا۔

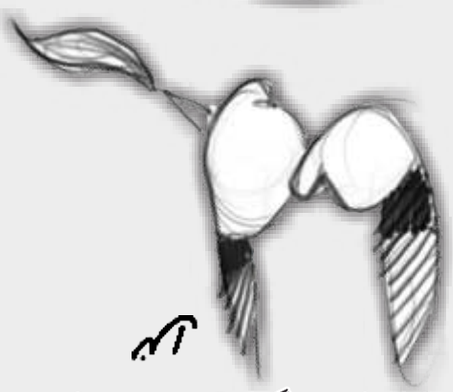

" دیکھو گاؤں والوں! دیکھو بچوں! میرے پاس کیا زبردست چیز ہے۔ دیکھو! دیکھو! یہ ایک جادو کا برش ہے۔ میں اِس سے جو چیز بھی پینٹ کروں گا وہ اَصلی شکل میں میرے پاس آ جائے گی۔ دیکھو میں اَبھی اَچھے اَچھے پھل بناتا ہوں اور تم لوگوں کو کھلاتا ہوں۔" اُس نے فوراً لال لال سیب، اَنار اور کیلے بنائے۔ فوراً ہی یہ سب پھل واقعی اَصل میں اُس کے ہاتھ میں آگئے۔ سب لوگ بےحد خوش اور حیران نظر آرہے تھے۔ مالینگ نے وہ پھل غریب بچوں میں بانٹ دیئے۔

اَب تو فرمائشیوں کی لائن لگ گئی۔ کوئی کہتا مجھے کتابیں دے دو، کوئی بچہ طرح طرح کے کھلونوں کی فرمائش کرتا اور کوئی کہتا مجھے اَچھے کپڑے اور جوتے دلا دو۔ مالینگ باری باری سب چیزیں پینٹ کر کے بچوں میں تقسیم کرتا جاتا۔ سب گاؤں والے بہت خوش تھے اور مالینگ کے اِردگرد جمع تھے۔ مالینگ بھی حد سے زیادہ خوش تھا کہ میں لوگوں کی مدد کر رہا ہوں۔

اِس جادو کے برش اور مالینگ کے کارناموں کی خبر شہر کے اَمیر ترین آدمی تک بھی پہنچ گئی۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ اُس اَمیر شخص نے اَپنے نوکروں اور ملازمین سے کہا کہ "جاؤ اور اُس بچے کو پکڑ کر ہمارے پاس لے کر آؤ۔ ہم بھی تو ذرا اُس کے جادو کو دیکھیں۔" اُس کے حکم پر اُس کے نوکر مالینگ کو پکڑ کر اُس کے بڑے سے محل نما گھر میں لے آئے۔

مالینگ حیران ہوکر ہر طرف دیکھ رہا تھا کہ اُس اَمیر آدمی کا گھر کتنا بڑا اور کتنی قیمتی چیزوں سے سجا ہوا ہے۔ اِتنے میں وہ اَمیر شخص آگیا اور مالینگ سے بولا، "اُو لڑکے! ہم نے سنا ہے تمہارے پاس کوئی جادو کا برش ہے اور تم اِس برش سے جو چاہو بنا کر پیش کر سکتے ہو۔ مالینگ بولا، "ہاں! ایسا ہی ہے، یہ برش۔ لیکن آپ اِس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ کے پاس تو پہلے ہی بہت کچھ ہے۔" وہ شخص بولا، "ہاں! لیکن ہمیں اور بھی مال و دولت چاہیے۔" یہ کہہ کر اُس نے اَپنے نوکروں سے کہا، "اِس سے یہ برش چھین لو اور اِسے یہاں سے نکال دو۔" مالینگ سے برش چھین کر زمیندار کے ملازموں نے اُسے گھر سے نکال دیا۔

مالینگ بہت دُکھی اور اُداس تھا کہ اُس کا بہترین تحفہ اُس سے چھن گیا لیکن وہ بیچارا کیا کرتا؟ اَب سنو! مزا یہ آیا کہ اُس اَمیر شخص نے جب اَپنے ایک مُصوّر (یعنی آرٹسٹ) کو بُلوایا اور اُسے برش دے کر کہا، "یہ لو اور اِس جادو کے برش سے وہ تمام چیزیں پینٹ کرو جو ہم بتاتے ہیں۔" آپ سُن کر حیران ہوں گے کہ اُس برش کا سارا جادو ختم ہو گیا۔ سب لوگ بہت مایوس ہوئے۔

اَب اُس اَمیر اور لالچی اِنسان نے غصّے میں کہا، "جاؤ اور گاؤں سے مالینگ کو ڈھونڈھ کر ہمارے پاس لاؤ۔" سارے مُلازِم ہر طرف تلاش کر کے آخر مالینگ کو پکڑ ہی لائے۔ مالینگ نے کہا، "آپ کو اور کیا چاہیے؟" وہ شخص اَب ذرا پیار سے بولا، "دیکھو بیٹا! ہمارے پینٹر کے ہاتھ میں آکر اِس برش کا جادو ختم ہوگیا ہے۔ اَب تم ہی اِس کا جادو واپس لا سکتے ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں تمہیں مالا مال کر دینگے۔"

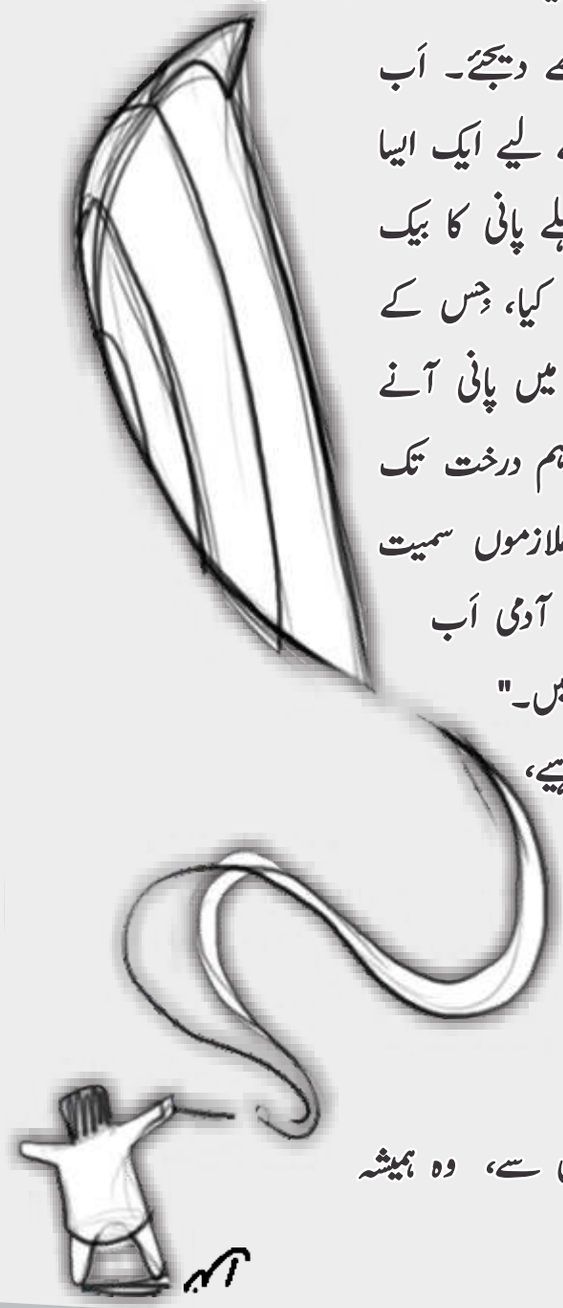

مالینگ نے کچھ سوچ کر کہا، "اَچھا لائیے برش مجھے دیجئے۔ اَب بتائیے آپ کیلئے کیا پینٹ کروں؟" وہ شخص خوش ہو کر بولا، "ہمارے لیے ایک ایسا درخت بناؤ جِس کے پتّے سونے کے ہوں۔" مالینگ نے سب سے پہلے پانی کا بیک گراونڈ (Background) بنایا اور اُس کے بیچوں بیچ درخت پینٹ کیا، جِس کے پتّے سونے کے تھے۔ درخت جگمگا رہا تھا۔ اُس لالچی آدمی کے منہ میں پانی آنے لگا۔ جلدی سے بولا، "اَچھا اَب ایک کشتی تو بناؤ! جِس میں بیٹھ کر ہم درخت تک پہنچ سکیں۔" مالینگ نے کشتی پینٹ کر دی۔ وہ اَمیر آدمی اَپنے ملازموں سمیت جلدی سے اُس میں سوار ہو گیا۔ کشتی آہستہ آہستہ چل پڑی، لالچی آدمی اَب چیخ کر بولا، "ہوا تو چلاؤ تاکہ ہم جلدی سے اُس درخت تک پہنچ سکیں۔" مالینگ ہوا پینٹ کرنے لگا۔ وہ پھر چیخا، "جلدی کرو تیز ہوا ہونی چاہیے، تاکہ ہم فوراً درخت تک پہنچ جائیں۔" مالینگ نے غصّے میں آکر خوب تیز ہوا پینٹ کی۔ اِتنی تیز کہ پانی میں طوفان آگیا اور کشتی اُلٹ گئی۔ وہ لالچی آدمی اَپنے سارے ساتھیوں سمیت پانی میں ڈوب گیا۔ **یہ ہوتا ہے ظُلم اور لالچ کا اَنجام۔** اَب مالینگ اَپنے گاؤں واپس آگیا اور ہنسی خوشی رہنے لگا۔ اَپنے جادو کے برش سے، وہ ہمیشہ گاؤں والوں کے کام آتا رہا۔

نینا کی نانی

کیا آپ کی کوئی نانی ہیں؟ اگر بدقسمتی سے نہیں ہیں، تو فوراً ایک عدد نانی کا اِنتظام کیجئے۔ واہ! بھلا نانی کے بغیر کوئی زندگی ہے؟ صبح آنکھ ہی اُن کی آواز سے کھلتی ہے، "اُٹھ جاؤ بھئی! کب تک سوئے رہو گے۔ رات کو اِتنی دیر سے سونے کی کیا ضرورت ہے کہ صبح اُٹھنے کو دِل ہی نا چاہے۔ بتاؤ ناشتے میں کون سا اَنڈہ کھانا ہے؟" اَب نانی کو کیا بتائیں کہ ہمیں اَنڈہ زہر لگتا ہے۔ اَب اَنڈے کے فائدوں پر لیکچر، وہی پُرانا لیکچر شروع۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے نانی، آملیٹ کھالیں گے، باقی اَنڈوں سے تو بہتر ہے۔

نانی! ہمیں تو صرف اَنڈہ ہی زہر لگتا ہے، نا جانے آپ کو ہماری کون کون سی باتیں زہر لگتی ہیں۔

ننگے پاؤں پھِرنا، دِن بھر کارٹون دیکھنا، کمپیوٹر یا موبائل پر آنکھیں گاڑ کے بیٹھے رہنا، زیادہ دوستیں بنانا اور اُن سے سارے وقت گپ لگانا۔ نئے زمانے کی چلاؤ زبان سے تو اُن کو شدید نفرت ہے۔ ''اُف! فلانا تو کِتنا فِٹ (fit) لگ رہا تھا۔ اوسَم (Awesome)! آخر ہر چیز اوسَم کیوں ہو جاتی ہے؟ بھئی اَچھی، دلچسپ، خوبصورت، مزیدار، یہ سارے اَلفاظ آخر کہاں چلے گئے؟''

نانی! آپ تو واقعی اوسَم ہیں۔ کسی کی نانی اِیسی ہو ہی نہیں سکتیں۔ ہمیں چھوڑو وہ تو چلتی ہوا کو ڈانٹنے اور راہ چلتوں کو ٹوکنے کو تیار رہتی ہیں۔ بعض دفعہ تو مارے شرم کے ہم بالکل ایسے ہو جاتے ہیں جیسے ہم اُن کو جانتے ہی نہیں، "ہوں گی کِسی اور کی نانی، ہمارا اِن سے کیا تعلق۔" ایک دِن مُحلّے کے بچوں نے بِلا وجہ کاغذ

پھاڑ کر اُس کے ٹکڑے سڑک پر پھینک دیئے۔ ہم نانی کے ساتھ ہی تھے، ہماری پریشانی کا عالم نہ پوچھیئے کہ دیکھو اَب کیا ہوتا ہے؟ نانی سیدھی گھر میں گئیں اور ایک تھیلی لا کر اُن بچوں سے بولیں، "یہ کاغذ تم نے سڑک پر پھینکے ہیں نہ؟ چلو! ایک ایک کاغذ چُن کر اِس تھیلی میں ڈالو اور خبردار جو آئندہ کبھی سڑک پر کوڑا پھینکا تو۔"

اَب آگے سنیئے۔ ایک دن ہم گھر واپس آئے تو معلوم ہوا آج تو نانی نے کمال ہی کر دیا۔ شُکر ہے ہم یہ تماشا دیکھنے کیلئے موجود نہیں تھے۔ ہوا یہ کہ پولیو کے قطرے پِلانے والی ٹیم نے شامت کے مارے گھنٹی بجا دی۔ اَگر گھر میں کوئی بچہ ہے تو اُسے پولیو کے قطرے پلوا لیں۔ نانی کو تو موقع مل گیا۔ فوراً بولیں، "نہیں بیٹا ہمارے ہاں تو کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے، ہاں یہ سامنے والے گھر میں بےشمار بچے ہیں۔" ٹیم میں سے ایک لڑکی بولی، "آنٹی! اِن کے گھر ہم گئے تھے۔ اِنھوں نے قطرے پلوانے سے اِنکار کردیا۔" یہ سُن کر وہ بھلا رُکنے والی تھیں؟ فوراً اُن کے گھر جا کر گھنٹی بجائی اور اِنتظار کرنے لگیں۔ دو عورتیں باہر آئیں، ناجانے اُن سے کیا سوال جواب اور بحث ہوئی؟ سنا ہے آخر میں اُن کے بچے لائین سے پولیو کے قطرے پیتے نظر آئے۔ اُو میرے خدا! بڑی شرمندگی۔

نانی کو سب سے زیادہ غصّہ اِس بات پر آتا ہے کہ جب بچے سڑکوں پر کھیلتے ہیں۔ اَب کیا بتاؤں، اِس کی تو لمبی داستان ہے۔ اُن کے منہ سے جو پھول جھڑنے شروع ہوتے ہیں تو رُکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ "یہ کون ماں باپ ہیں، جو بچے پیدا کر کے سڑکوں پر چھوڑ دیتے ہیں؟ کوئی گاڑی کے نیچے آ جائے، کوئی گٹر میں گِر جائے۔ بھلے کوئی بچوں کو اَغوا کر کے لے جائے، کیا فرق پڑتا ہے؟ اور پیدا ہوجائیں گے۔ چلو یہ تو چھوٹے بچوں کی بات ہے۔ وہ تو جوان لڑکے لڑکیوں کو بھی نہیں چھوڑتیں۔ اُف! کیا بتاؤں آج کل کی نئی نَسل کا طرح طرح سے اِترانا، بولنے، چلنے اور مٹکنے کا اَنداز تو اُن کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ "بھئی یہ سیلفی کیا بلا ہے؟ اور موبائل تو ایک لاعلاج مرض ہے، جو وَبا کی طرح پھیلتا جا رہاہے۔ کوئی جگہ ہو، کوئی ماحول ہو، کوئی بُزرگ بیٹھا ہو، کِسی کے اِنتقال پر اَفسوس کرنے گئے ہوں یا

کِسی بھی قِسم کا ماحول ہو، بس آنکھیں فون پر گڑی ہیں اور اُنگلیاں کھٹا کھٹ چل رہی ہیں۔ ہمیں کیا؟ اِرد گِرد کیا ہو رہا ہے۔"

اگر نانی کی عادات اور اُن کی نفسیات پر غور کیا جائے اور سوچا جائے کہ وہ ایسی کیوں ہیں، تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اُنھوں نے اَپنی زندگی کے پچیس سال بچوں کو پڑھانے میں گزارے۔ ایک ٹیچر جو اُن کے دِل و دِماغ میں اِتنے سال سے موجود ہے، اُس نے اَبھی تک اُن کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ اَب بھی اَکثر اَپنے قِصّے سناتی ہیں، تو ہمیں ہنسی کا دورہ پڑ جاتا ہے اور ہم شکر بھی کرتے ہیں کہ ہم اُس وقت موجود نہیں تھے جب یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک والِد بیچارا اِسکول کی چُھٹی کے وقت اَپنے بچے کو لینے آیا۔ مصیبت کا مارا اَپنی کسی سوچ میں چلا جا رہا تھا اور ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ تھا۔ آپ اَندازہ کر سکتے ہیں اُس کے ساتھ کیا ہوا ہو گا؟ سگریٹ نوشی اور وہ بھی اِسکول میں اور وہ بھی بچوں کے اِسکول میں؟ توبہ توبہ اُس بچارے کو شاید وہ شرمندگی آج تک نہ بھولی ہوگی۔ اَب آخر میں یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ ہم خوش قسمت ہیں یا بَدقسمت کہ ہم نے ایسی نانی پائی ہیں۔

چچا چھکّن کی ہیڈ مسٹرس سے ملاقات

آیئے، اَب ہم چچا چھکّن سے ایک اور ملاقات کرتے ہیں۔ بھئی اَب تو وہ دادا بن گئے ہیں۔ پوتے پوتیوں والے ہو گئے ہیں، لیکن کہلاتے اَب بھی سب کے چچا ہیں۔ حالات بھی وہی ہیں، ذرہ بھر فرق نہیں آیا۔ وہی گھر کے ہر معاملے میں ٹانگ اَڑانے کا شوق، ہر کام میں دخل دینے کو تیار۔ چچی بیسیوں مرتبہ کہہ چکی ہیں، خدا کے لیے اَب اَللہ اَللہ کرنے کے دِن ہیں، کیوں ہر مسئلے میں کُود پڑتے ہو اور پھر گھر بھر کی شامت لاتے ہو۔

اُس وقت تو چِڑ کر کہہ دیتے ہیں، اَچھا بابا اَب ہم کسی معاملے میں بولیں تو جو چور کی سزا وہ ہماری، لیکن پھر عادت سے مجبور، جہاں دو لوگ کوئی بات کر رہے ہوں وہاں اُن کا دخل دینا ضروری ہے۔ آج ہی کی بات ہے، چچا کی بہو مُنّے کو کچھ سمجھا رہی تھیں، شاید اُس کے اِسکول سے کوئی شکایت آئی تھی۔

مُنّے کی اَمی: مُنّے کیا بات ہے، آج کل تم کچھ زیادہ ہی غصّہ دکھانے لگے ہو؟ ذرا ذرا سی بات پر کھلونے اور چیزیں پھینکنا شروع کر دیتے ہو۔

مُنّا: بس آپ مجھے ہر وقت پڑھنے کو جو کہتی رہتی ہیں۔ اَبھی دیکھیں میری پسند کا ٹی وی پروگرام آرہا ہے۔ اِتنے زبردست مارکٹائی کے سین (scene) ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں کام کرو۔

چچی: مُنّے بیٹا اِتنے تشدُّد سِکھانے والے کارٹون اور پروگرام نہ دیکھا کرو، یہ بیکار ٹی وی تو کِسی کام کا نہیں۔

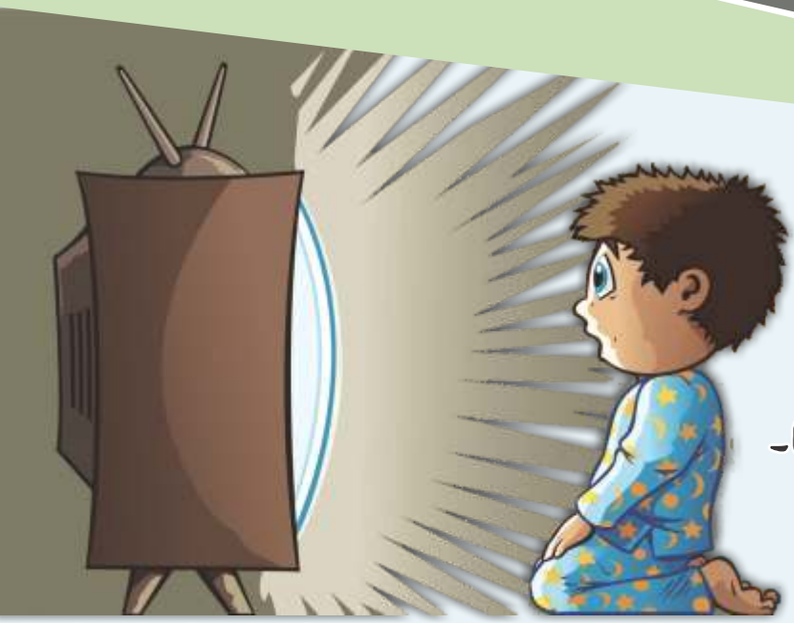

مُنّا: اَماں تشدُّد کیا ہوتا ہے؟

چچی: یہ مار پیٹ، ہنگامہ اور کیا۔

مُنّا: واہ! اِسی میں تو مزا آتا ہے۔ وہ مارا! وہ گرایا! اور خون بھی نکل گیا۔

مُنّے کی اَمی: (چچی سے) دیکھا آپ نے، یہ حال ہے اِن کا۔

چچی: (مُنّی کو آواز دیتے ہوئے) مُنّی بیٹا! یہاں آؤ۔

مُنّی: جی اَماں۔

چچی: بیٹا بھائی کو بھی اَپنے ساتھ پڑھنے کو بٹھاؤ۔ اِس کو اِسکول سے کافی کام مِلا ہے۔

مُنّے کی اَمی: اَماں کام نہ بھی مِلا ہو تو اِن کو پابندی سے پڑھنا چاہیے۔

مُنّی: آؤ بھیا، بستہ لے کر آؤ۔ میں دیکھتی ہوں، تمہیں کیا کام مِلا ہے۔

مُنّا: جی نہیں آپا مجھے نہیں پڑھنا۔ بس! مجھے ٹی وی دیکھنا ہے۔

چچا: (کمرے میں داخل ہوتے ہوئے) اَرے بھائی کیا اُدھم مچا رکھا ہے۔ اِس گھر میں کبھی کوئی کام سہولت سے ہوتا ہے یا نہیں؟

چچی: چلو جی اَب آئی مصیبت۔ یہ کہاں سے ٹپک پڑے؟

چچا: ٹپک کیا پڑے؟ اَب اگر ہم نہ بولیں تو کیا کریں۔ ہر وقت گھر میں ایک بحث مباحثہ ہوتا رہتا ہے، ہم تو بس یوں ہی بدنام ہیں۔ بھلا اِس وقت کس بات پر چیخ و پکار مچا رکھی ہے؟

مُنّی: اَبا یہ مُنّا پڑھنے لکھنے کو بالکل تیار نہیں ہوتا۔ ہر وقت ٹی وی یا کھیل کی اِجازت مانگتا رہتا ہے۔

چچا: کیوں بھئی مُنے میاں پڑھو لکھو گے نہیں تو کیا بڑے ہو کر چھابڑی لگاؤ گے؟

مُنّی: (اَمی سے) آج اِس نے پھر مُحلّے کے ایک بچے کو مارا تھا۔

چچا: بھئی اَب بچوں کا بھی کیا قصور، زمانہ ہی کچھ ایسا خراب ہوگیا ہے۔ جِدھر دیکھو ماردھاڑ۔ جہاں دیکھو تشدُّد۔ برداشت کا مادہ تو جیسے رہا ہی نہیں کسی میں۔

چچی: اَب گاڑی چلانے والوں کو ہی دیکھئے۔ کوئی کسی کی ذرا سی غلطی بھی درگزر کرنے کو تیار نہیں۔ وہیں بیچ سڑک پر مار پٹائی شروع ہو جاتی ہے۔

چچا: آپ نے سولہ آنے صحیح بات کی ہے۔ اَب بچے تو وہی سیکھیں گے نہ، جو ہر طرف دیکھیں گے۔

مُنّی: اَبا آپ نے منع کیا تھا کہ بچے دھماکے کی خبریں نہ دیکھیں، لیکن مُنّا آج پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہی خبریں دیکھ رہا تھا۔

مُنّے کا بھائی: ہاں اَبا! یہ باز ہی نہیں آتا، سب خون خرابے اور خوفناک چیزیں دیکھنے سے۔

چچی: ہماری بدقسمتی کہ بچوں کو یہ سب دیکھنے کو مل رہا ہے۔

مُنّے کی اَمی: میں چاہتی ہوں مُنّے کے اِسکول جا کر اِس کی ٹیچر سے بات کروں۔ شاید وہ ہی مُنّے کے اِس رویئے پر کچھ مشورہ دے سکیں۔

مُنّے کا بھائی: آہا! اَب مزا آئے گا! اَمی تمہاری ٹیچر سے تمہاری شکایت کریں گی۔ واہ بھئی واہ! تالیاں مُنّے کے لیے۔

مُنّا: اَمی نہیں! آپ ہرگز میرے اِسکول نہیں جائیں گی۔

چچا: کیوں نہیں جائیں گی؟ ضرور جائیں گی، بلکہ ہم بھی جائیں گے۔

چچی: الٰہی خیر! اَب دیکھو کیا آفت آتی ہے۔ اِن کا ہر معاملے میں ٹانگ اَڑانا بہت ضروری ہے۔

چچا: ہاں ہے ضروری۔ آخر ہماری اَگلی نَسل کے مستقبل کا سوال ہے۔

مُنّی: جی اَبا آپ بھی چلئے گا۔ لیکن اَبا ذرا آرام سے بات کیجئے گا۔ غصّے میں نہ آیئے گا۔

چچی: آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ یہ کسی معاملے میں آئے ہوں اور وہ معاملہ آرام وسکون سے حل ہوا ہو۔

چچا: بس جی تم خاموش رہو، ہم سب دیکھ لیں گے۔

مُنّے کا بھائی: چلئے اَبا تیار ہو جایئے ورنہ دیر ہو جائے گی۔

لو جی اَب آئی گھر بھر کی شامت۔ چچا کو تیار ہوکر اِسکول جانا ہے اور وہ بھی جلدی میں۔ ایک ایک کو آوازیں پڑنی شروع ہو گئیں۔

چچا: (نوکر سے) اَمامی! اَرے او اَمامی! جلدی سے آ۔

اَمامی: اَللہ خیر کرے صُبح صُبح کیوں چیخ رہے ہیں؟

چچا: صُبح صُبح کے بچے! بھاگ کر جا اور لانڈری سے ہمارا شلوار قمیض لے آ۔

اَمامی: کون سا شلوار قمیض؟

چچا: بھئی وہی شلوار قمیض، جو ہم نے عید کے دن پہنا تھا۔

اَمامی: وہی نہ جس کے ساتھ آپ نے کالی جیکٹ پہنی تھی۔

چچا: ہاں ہاں بالکل وہی! واہ تجھے تو خوب یاد ہے۔

چچی: اَب اِسکول جا رہے ہو یا کہیں شادی ہے؟

چچا: بھئی ہم مُنّے کے دادا ہیں کوئی مذاق ہے کیا؟ اور پھر اُستانیاں کیا سوچیں گی کہ دادا میاں کو کپڑے پہننے کی تمیز بھی نہیں۔

اَمامی: جی میں جاؤں؟

چچا: اَرے تُو اَبھی تک یہیں کھڑا ہے؟ جلدی جا بھاگ کر (اَمامی بھاگ کر جاتا ہے)۔ اے لو! بھاگ گیا، اَرے رسید اور پیسے تو بھول ہی گیا (مودی کو آواز دے کر)۔ مودی اَرے او مودی! ذرا بھاگیو! اَمامی کو پیسے اور رسید تو دے آ۔

مودی: اَبا کہاں رکھی ہے رسید؟

چچا: اَرے بھئی وہیں ہوگی ہماری اَلماری میں۔ ذرا جلدی کر! (مُنّی کو آواز دیتے ہیں) مُنّی! بھئی یہ مُنّی کہاں چلی گئی؟

مُنّی: جی اَبا یہیں تو کھڑی ہوں۔

چچا: مُنّی بیٹا ذرا ہماری نئی عینک اور چھڑی لانا(اَب دوبارہ مودی کو آواز دیتے ہیں) مودی اَرے مودی بیٹا! دے آیا رسید اور پیسے؟

مودی: جی اَبا دے آیا۔

چچا: اَب جا جلدی سے ہمارے جوتے پالش کر کے لے آ۔ جا میرا بیٹا۔

مودی: جی اَبا، اَبھی لایا۔

خُدا خُدا کر کے طوفان تھما اور چچا تیار ہو کر اِسکول کیلئے روانہ ہوئے۔ اَب وہاں کا حال دیکھئے۔

ٹیچر: السلامُ علیکم! کیا آپ اَحمد کے اَبا ہیں؟

چچا: جی ہاں! اَحمد ہی ہمارا مُنّا ہے، لیکن ہم اُس کے اَبا نہیں، دادا ہیں۔ کیا اِن سفید بالوں کے ساتھ ہم آپ کو اُس کے اَبا لگتے ہیں؟

ٹیچر: اوہ! معافی چاہتی ہوں۔ اَچھا یہ بتایئے، آپ کِس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟

چچا: اُستانی جی! ہم مُنّے کے بارے میں بہت فِکرمند ہیں۔ یہ آجکل زیادہ ہی شیطان ہو گیا ہے۔ محلّے سے بھی اِس کی مار پیٹ کی شکایتیں آتی ہیں۔

ٹیچر: جی بالکل! ایسا ہی اِسکول میں بھی ہے۔ اَکثر بریک میں بچے ایک دوسرے کو مارتے اور دھکے دیتے ہیں۔ یہ روّیہ اَب زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔

چچا: کیا میں آپ کی ہیڈمِسٹرس صاحبہ سے اِس سلسلے میں بات کر سکتا ہوں؟

ٹیچر: جی ضُرور، میں اَبھی اُن سے آپ کی مُلاقات کروا دیتی ہوں۔

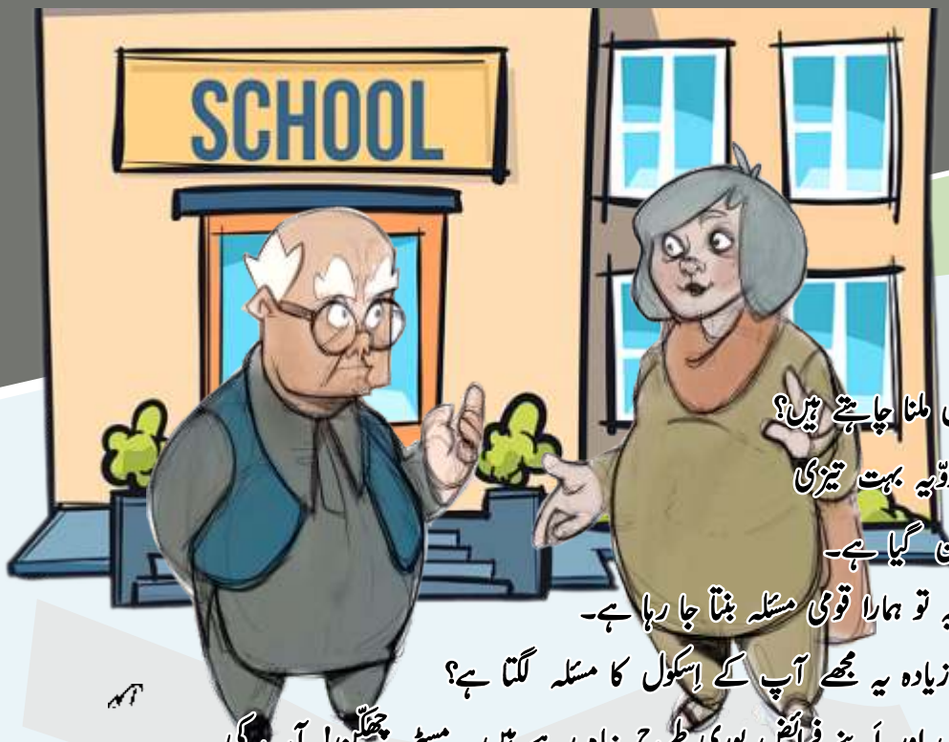

(ٹیچر جا کر ہیڈ مِسٹرس کو لے کر آتی ہیں)۔

ہیڈ مِسٹرس: السلامُ علیکم! مولانا صاحب۔

چچا: ہم مولانا نہیں، چچا چھکّن ہیں۔

ہیڈ مِسٹرس: جی مِسٹر چھکّن، آپ مجھ سے کِس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟

چچا: میڈم! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آجکل بچوں کا روّیہ بہت تیزی سے بدَل رہا ہے۔ تشدُد اور مار پیٹ روز کا معمول بَن گیا ہے۔

ہیڈ مِسٹرس: جی! آپ بالکل دُرست کہہ رہے ہیں۔ یہ تو ہمارا قومی مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔

چچا: (جھلّا کے) معاف کیجیئے گا میڈم، قومی مسئلے سے زیادہ یہ مجھے آپ کے اِسکول کا مسئلہ لگتا ہے؟

ہیڈ مِسٹرس: جی، ہم تو اَپنی ذِمہ داری سے بخوبی آگاہ ہیں اور اَپنے فرائض پوری طرح نِباہ رہے ہیں۔ مِسٹر چھکّن! آپ کی طرف سے کہاں کوتاہی ہو رہی ہے، یہ آپ بہتر جانتے ہوں گے۔

مُنّے کی اَمی: (جلدی سے بیچ میں بولی) جی میڈم بالکل! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، یہ بتایئے، کہ اِس مسئلہ کو حل کرنے میں ہم آپ کے ساتھ کیا تعاون کر سکتے ہیں۔

ہیڈ مِسٹرس: سب سے پہلے تو آپ بچوں کو بے تحاشہ ٹی وی دیکھنے سے روکیئے۔ ٹی وی پر ہر قسم کے پروگرام دیکھنے کی کھُلی چھُٹی بہت نقصان دہ ہے۔

چچا: دیکھا! بہو، ہم نہ کہتے تھے؟ یہ ٹی وی شیطانی چرخہ ہے۔ اَرے ہمارے زَمانے میں یہ سب خرافات کب تھیں۔ ہم تو اَپنا فارغ وقت کتابیں پڑھنے میں گزارتے تھے۔

ہیڈ مِسٹرس: آپ نے سو فیصد (100%) ٹھیک کہا۔ آجکل کے بچوں میں پڑھنے کی عادت نہ ہونے کے بَرابر ہے۔

چچا: بَس کیا کہیں۔ پڑھتے بھی ہیں تو وہ کیا نام ہے؟ کمبخت ہیری پوٹر (Harry Potter) اَللہ جانے کیا بلا ہے؟

ہیڈ مِسٹرس: مِسٹر چھکّن **وہ بچے تو بہت خوش قسمت ہوتے ہیں، جن کے گھر میں بُزرگ ہوں۔ اُن کو سمجھانے اور رہنمائی کرنے کے لئے۔**

چچا: اَجی ہماری کوئی مانے تب نہ۔

ہیڈ مِسٹرس: مانیں گے ضرور مانیں گے۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ ذرا برداشت اور دھیمے اَنداز سے سمجھانے کی ضرورت ہے۔

چچا: ہماری گھر والی کہتی ہیں، آپ میں ذرا بھی برداشت نہیں۔ بس ہر وقت آگ بگولہ رہتے ہیں۔

ہیڈ مِسٹرس: (مسکراتے ہوئے) کہتی تو وہ شاید ٹھیک ہی ہیں۔ بس اِسی غصّے پر آپ کو قابو پانے کی ضرورت ہے۔

چچا: میرا خیال ہے کہ ہمیں اَپنے بچوں کی خاطر اَپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ اَچھا بی بی اَب اِجازت دیجیئے اَللہ آپ کو خوش رکھے۔

کمال ہے! یہ مسئلہ تو چچا نے کافی جلدی حل کر دیا۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کے چچا میں اَب بُزرگی آگئی ہے؟

نہیں بھئی۔۔۔ ہمیں تو اَپنے چچا بالکل ویسے ہی پسند ہیں جیسے وہ ہیں۔

اَرنی کا کیا ہو گا؟

آج کل نینا کے سَر پر ایک ہی فِکر سوار ہے کہ اِس کا اَرنی لاہور کیسے جائے گا؟ نینا کے اَبا کا تبادلہ لاہور کا ہو گیا ہے۔ اَبا کو فِکر ہے کہ لاہور جانے کا سارا اِنتظام کیسے ہو گا۔ نیا دفتر کیسا ہوگا۔ گھر کہاں مِلے گا؟ اَمی کو سامان پیک کرنے کی فکر ہے۔ بچوں کے داخلے اَچھے اِسکول میں ہو جائیں۔ لاہور کی سخت گرمی اور سخت سردی کی پریشانی بھی ذہن میں ہے۔ گھر آرام دہ ہو، باورچی خانہ بھی بڑا اور صاف ہو۔ لیکن یہ چھوٹی چھوٹی فکریں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ اَصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اَرنی لاہور کیسے جائے گا؟

نینا کا لاڈلا کُتا اَرنی ویسے بھی کافی دِن سے اَکیلا تھا کیونکہ نینا چھٹیوں میں نانا، نانی کے گھر گئی ہوئی تھی۔ کہانی کی کتاب پڑھتے ہوئے، کہانی میں کسی کُتے کا ذکر آجائے یا ٹی وی کے کسی پروگرام میں کوئی کُتا نظر آجائے تو اَرنی اور بھی یاد آنے لگتا۔ ہے تو اَرنی واقعی بہت بھولا اور محبت کرنے والا کُتا۔ نینا کی ضِد تھی کہ اُسے کوئی پالتو جانور چاہیے۔ پہلے اُس کے لیے ایک خرگوش آیا، لیکن اُس نے سارے لان کو کھود ڈالا، اِس لیئے اُس کو جانا پڑا۔ پھر ایک بکری پالی گئی۔ نینا کی اَمی کو پسند نہ تھا کہ کسی جانور کو اَپنے شوق کے لیے رَسی سے باندھ کر رکھا جائے، اِس لیے بکری بھی کسی کو دے دی گئی۔

تیسرا نمبر اَرنی کا تھا۔ جب وہ گھر میں آیا تو آہستہ آہستہ سب کا لاڈلا بن گیا، لیکن بےحد شرارتی اور تیز ہونے کی وجہ سے اُسے بھی زیادہ وقت باندھے رکھنا پڑتا تھا۔ پورے گھر میں جس سے وہ سب سے زیادہ خوش رہتا اور جس کی بات وہ مانتا وہ نینا ہی تھی، ورنہ مجال ہے جو وہ دو سیکنڈ کے لیے کہیں ٹِک کر بیٹھ جاتا۔ لان میں بےتحاشہ بھاگنا، ہر چیز کو مُنہ میں دبوچنا اور الگنی پر ٹنگے ہوئے کپڑوں کو دانتوں سے پکڑ کر نوچنا۔ نینا کی اَمی اُس کی اِن حرکتوں سے عاجز آچکی تھیں لیکن نینا کی ضِد کے آگے مجبور تھیں۔

یہ سب اَپنی جگہ، لیکن نینا کے دادا، دادی کو اَرنی کے گھر میں ہونے سے پاکی ناپاکی کا مسئلہ تھا۔ جس گھر میں کُتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ نانا، نانی کو میڈیکل کے نکتۂ نظر سے اَرنی کی طرف سے پریشانی رہتی۔ وقت پر اُس کو ٹیکے لگ جائیں، نینا اُس کے زیادہ قریب نہ جائے وغیرہ وغیرہ۔

لاہور جانے کے دِن قریب آئے تو اَمی نے تیزی سے پیکنگ شروع کردی۔ ہر کمرے کا سامان ڈِبوں میں رکھا جانے لگا۔ گھر میں ہر طرف سامان بے ترتیب پڑا تھا۔ نازُک بَرتن اور سجاوٹ کی چیزیں بڑی احتیاط سے رکھی جارہی تھیں۔ نینا کے کھلونوں کی باری بھی آ گئی لیکن نینا کے ذہن میں وہی سوال گھوم رہا تھا۔ کھلونے تو ڈِبوں میں آجائیں گے اور لاہور پہنچ جائیں گے، لیکن اِس سوال کا اُسے کوئی تسلّی بخش جواب نہیں دے رہا تھا کہ اَرنی لاہور کیسے جائے گا۔ اَمی تو یہ کہہ کر فارِغ ہو جاتیں کہ کیا مصیبت ہے، چلا جائے گا کسی طرح، تمہیں اِتنی فِکر کیوں ہے؟ اَب نینا کو اَرنی کی فِکر نہیں ہوگی تو کِس کو ہوگی؟

اُسے شاید یہ فِکر تھی کہ اَرنی کو کہیں چھوڑ نہ جائیں۔ یا پھر یہ فکر ہوگی کہ اُسے ڈِبے میں بند نہ کر دیں اور اُس بچارے کا دَم نہ گھُٹ جائے۔ غرض وہ پریشان تھی اور اُس پر غضب یہ ہوا کہ اُس کے بھائی نے اُسے اَپنے دوست کے پالتو کُتے کی دردناک کہانی سُنا دی کہ، فلاں صاحب کا ٹرانسفر ہوا اور جب وہ سب جا رہے تھے، تو سفر کے دوران اُن کا کُتا لُو (گرمی) لگنے اور پانی کی کمی کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اُسکا علاج ہوا اور وہ مرتے مرتے بچا۔ بھلا بتاؤ! یہ بھی کوئی نینا کو بتانے کی بات تھی؟ اُس وقت نینا کی آنکھوں میں جو گھبراہٹ تھی، اُس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اَب ہر تھوڑی دیر بعد اَرنی کو پانی پلایا جا رہا تھا چاہے اُس کا پیٹ ہی پھٹ جائے۔

آخر لاہور جانے کا دِن بھی آ ہی گیا۔ سارا بڑا سامان ٹرک میں اور کچھ چھوٹا اور نازُک سامان ایک پِک اَپ میں رکھ دیا گیا۔ سب گھر والے گاڑی میں سوار ہو گئے، لیکن نینا کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔ اَب اُن کا نوکر اَرنی کو پِک اَپ میں چڑھانے لگا۔ اَرنی کو بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، لیکن وہ پِک اَپ میں چڑھ گیا۔ جب اُس نے نینا کو گاڑی میں سے ہاتھ ہلاتے دیکھا تو وہ سکون سے بیٹھ گیا۔ سارے راستے پِک اَپ آگے آگے تھی اور گاڑی پیچھے پیچھے۔ نینا تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُسے ہاتھ ہلاتی نظر آجاتی تھی۔ موسم بھی اَچھا تھا اور اَرنی خوش لگ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ بارش کی بوندیں جب اَرنی کے مُنہ پر پڑتیں تو وہ جلدی جلدی آنکھیں جھپکنے لگتا اور خوشی سے اَپنی دُم ہلانا شروع کر دیتا۔ نینا کو یہ تماشا دیکھ کر بہت ہنسی آ رہی تھی۔ آدھے راستے میں یہ لوگ کھانا کھانے کے لئے رُکے۔ نینا اَرنی کے لیئے جو کھانا ساتھ لائی تھی وہ اُس کو دِیا۔ کھانا کھا کر اور پانی پی کر اَرنی آرام سے بیٹھ گیا۔ سفر دوبارہ شروع ہوا اور خُدا خُدا کر کے سب لاہور پہنچ گئے۔ اَرنی کی خیر خبر لینے کے بعد نینا نے بھی سُکون کا سانس لیا۔ اَب اُس کی پریشانی پوری طرح دور ہو چکی تھی۔

اِقبال کون؟

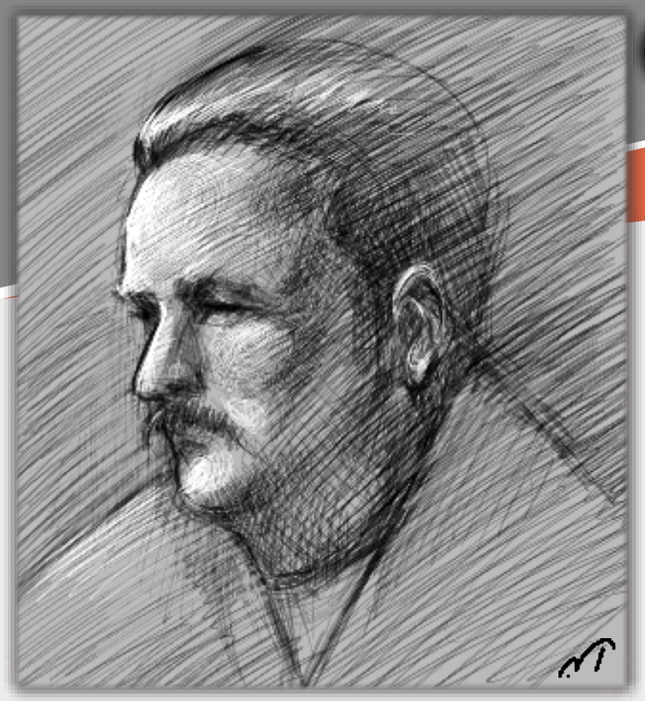

علامہ محمد اِقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے اور ۲۱ اَپریل ۱۹۳۸ء اُن کا یومِ وفات ہے۔ اِقبال کے بارے میں ہم بچپن سے ہی پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ اُنہوں نے سب سے پہلے پاکستان بنانے کا خیال ظاہر کیا تاکہ ہم سب مشکلوں سے آزاد ہوکر اَپنی مرضی سے زندگی گزارنے کے قابل ہوجائیں۔ وہ سیالکوٹ میں پیدہ ہوئے، یہ بھی سب جانتے ہیں۔ لیکن سب کچھ جاننے کے بعد بھی ہم اِقبال کے ساتھ محبت کا رشتہ نہیں بنا پاتے۔ بچوں کے بارے میں لکھی گئی نظموں کو اِسکول میں رَٹ بھی لیتے ہیں لیکن اُن کے معنی جانے بغیر۔ اِقبال نے بچوں کی ہر نظم میں اُن کو بہت سی اَچھی باتیں سکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں میں صرف چند نظموں کا تعارف آپ سے کرواؤں گی تاکہ آپ اُن کو پڑھیں، اُن کے مشکل اَلفاظ کا مطلب جانیں اور اُن سے لُطف اَندوز ہوں۔

بچے کی دعا: لَب پہ آتی ہے دُعا بَن کے تمنّا میری

اِس نظم میں ایک بچہ خُدا سے یہ دُعا مانگ رہا ہے کہ میری زندگی اُس شمع یا موم‌بتی کی طرح ہو جائے جو ہرطرف روشنی پھیلاتی ہے اور لوگوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ سادہ اَلفاظ میں: میں خوب عِلم حاصل کروں اور اَپنے عِلم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں۔ آخری شعر میں یہ دعا ہے:

میرے اَللہ بُرائی سے بچانا مُجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس راہ پہ چلانا مُجھ کو

بہت ہی آسان دُعا ہے جو بچہ اَپنے لیے مانگ رہا ہے۔

ہمدردی

یہ نظم ایک چھوٹی سی کہانی کی شکل میں ہے، جس میں ایک دُوسرے کی مدد اور سب کے ساتھ ہمدردی کرنے کی بات کی گئی ہے۔ کہانی ایک پرَندے کے بارے میں ہے جو رات کو اَپنے گھونسلے تک جانے کا راستہ بھول جاتا ہے۔ وہ پرَندہ بُلبُل ہے جو پریشان ہے۔ جُگنو ایک رات کو چمکنے والا کیڑا ہے جو بُلبُل کو اُداس دیکھ کر اُس کو روشنی دکھاتا ہے اور گھونسلے تک پہنچا دیتا ہے۔ اِس نظم کے آخری شعر میں اِقبال ہمیں بہت ہی اَچھی بات بتاتے ہیں کہ:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اَچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ایک مکڑا اور مکھی

یہ نظم جیسا کہ اِس کے نام سے پتہ چلتا ہے، ایک مکڑے اور مکھی کے بارے میں ہے۔ اِس دِلچسپ کہانی میں اِقبال بتاتے ہیں کہ ایک چالاک مکڑے نے مکّھی کی خوبصورتی کی خوب تعریف کی اور اُس کو اَپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ مکھی اَپنی جھوٹی تعریف سُن کر مکڑے کے گھر آگئی۔ وہ گھر تو ایک جالا تھا، جِس میں وہ مکّھی پھَنس گئی اور مکڑا اُس کو کھا گیا۔ جھوٹی تعریف میں نا آنے کی نصیحت بہت ہی پُرلطف نظم کی مدَد سے کی گئی ہے۔کسی کا دل توڑنا اَچھی بات نہیں ہے۔ یہ بات اِقبال نے اِس شعر میں مکّھی کی زبانی کیا خوب کہی ہے۔

اِنکار کی عادت کو سمجھتی ہوں بُرا میں
سچ یہ ہے کہ دل تُوڑنا اَچھا نہیں ہوتا

ایک پہاڑ اور گلہری

یہاں پہاڑ جیسی بڑی اور گلہری جیسے چھوٹے جانور کی آپس میں بات چیت اور بحث دکھائی گئی ہے۔ اِقبال ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہر چیز، بڑی ہو یہ چھوٹی، اَللہ نے بنائی ہے اور کِسی چھوٹی چیز کو کم تر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ آخری شعر میں اُنہوں نے یہ کہا ہے کہ:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قُدرت کے کارخانے میں

ایک گائے اور بکری

ایک گائے اور بکری کی بات چیت ہو رہی ہے۔ گائے اَپنے مالِک سے تنگ آچکی ہے اور اُس کی بُرائیاں کر رہی ہے۔ بکری چھوٹی ہے لیکن عقلمندی کی بات کر رہی ہے کہ ہر کسی کی بُرائی نہیں کرنی چاہیے۔ اُس میں موجود اَچھائیوں کی تعریف بھی کرنی چاہیے۔ آخری شعر میں اِقبال بکری کی عقل مندی کی تعریف کرتے ہیں۔

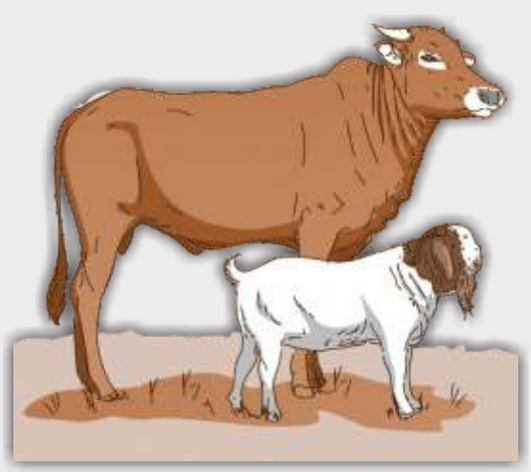

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی

اِقبال کی اِن چند نظموں کے بارے میں آپ کو یہ سب معلومات دینے کا اَصل مقصد یہ ہے کہ آپ کو اِقبال کی شاعری سے دِلچسپی پیدا ہو۔ یہ ساری نظمیں اُن کی مشہور کتاب 'بانگِ درا' میں ہیں۔ اُن کو پڑھیں اور اَپنے والدین سے اُن کا مطلب سمجھیں۔

غزل کیا ہے؟

اُردو غزل کا تعارف

اُردو غزل کے کئی معنی بیان کیئے جاتے ہیں، مثلاً، کسی سے گفتگو کرنا یا پھر خوبصورتی کو بیان کرنا۔ غزل کے ایک اور معنی ہِرنا یا کاتنا کے بھی بتائے جاتے ہیں۔ ایک مُستند کِتاب میں غزل کا تعلُق غِزال یعنی ہِرن سے جوڑا گیا ہے۔ ہِرن جب بھاگتے ہوئے کسی جگہ پھنس جائے تو اُس وقت وہ جو چیخ مارتا ہے اُسے غزل کہتے ہیں۔ شاعر اَپنے جذبات اور احساسات کو غزل میں بہت آسانی سے بیان کرسکتا ہے۔ غزل کا ہر شعر اَپنے اَندر مُکمل معنی رکھتا ہے۔ پڑھنے والے غزل بہت شوق سے پڑھتے ہیں کیوں کہ اُن کو ایسا لگتا ہے کہ یہ تو شاعر نے وہ ہی کہا ہے جو میرے دل میں ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
(غالِب)

عظیم اِنسان جو ہمیں چھوڑ گیا

(بڑوں کے لئے)

میں اَپنے آپ سے بہت ناراض ہوں اور شرمندہ بھی ہوں۔ عبدالستار اِیدھی کو ہم سے بچھڑے ایک لمبا عرصہ ہوگیا، لیکن میں نے اُن کے بارے میں نہ کچھ لِکھا نہ اَپنے جذبات کو اَلفاظ کی شکل دی۔ ہے تو یہ بہت مشکل کام، لیکن کیا اِتنی عظیم شخصیت کا چلے جانا اِتنی معمولی بات ہے؟ جس کے بارے میں ٹی وی یا سوشل میڈیا پر لوگوں کے بیانات پڑھ کر آنسو بہا لینا ہی کافی ہے۔ کیا ہماری یا ہمارے بعد آنے والی نسلوں کی بےحِسی اور ہماری زندگیوں کا سکوت اِتنا ہی گہرا ہے کہ اِتنا بڑا واقعہ بھی ہمیں جھنجھوڑ نہیں سکا۔ اِیدھی کو فرشتہ کہہ کر ہم کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کہ وہ جو کچھ کر گئے وہ تو ہم میں سے کسی کے بس کی بات ہی نہیں ہے، لہٰذا ہم تو مجبور ہیں۔ اُن جیسا جذبہ، اُن جیسی لامحدود طاقت، ہم کہاں سے لائیں؟ ہم تو بےحِسوں کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں اور بس۔

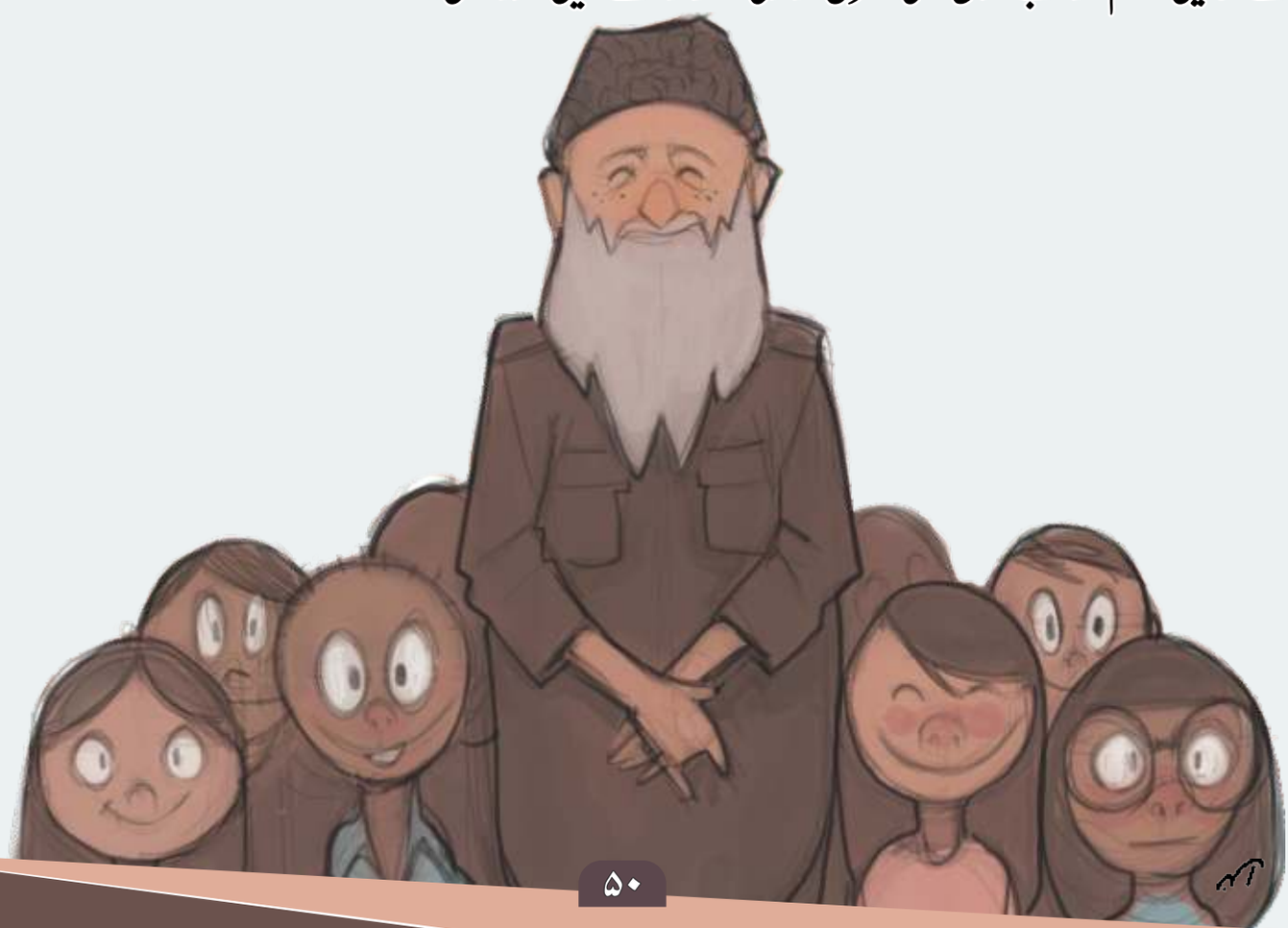

کیا اَپنے اِرد گرِد ہمیں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو ہماری توجہ اَپنی طرف مبذوُل کرا سکے۔ نہ اَچھا پہننے اور اَچھا کھانے کی آرزو لئے لوگ، نہ تعلیم سے محروم وہ بچے، جنہیں اَندازہ ہی نہیں کہ اُن کی تعلیم سے محرومی اُن کی زِندگی کی کِتنی بڑی کمی ہے۔ کوئی واقعہ، کوئی حادثہ یا پھر کوئی خوفناک سانحہ تو ہمیں متحرک کر سکے۔ کاش ہم اَپنے گناہ وثواب کے حِساب کتاب سے نِکل کر اَپنے اَصل مقصدِتخلیق کو جان سکیں اور اُس کی طرف رُجوع کر سکیں۔ وہ مقصدِتخلیق جِسکو اِیدھی نہ صرف پورا کر گئے بلکہ سب کو ایک راستہ دکھا گئے، کہ یہ ہے تمہارے خَلق کئے جانے کا اَصل سبب۔ کہیں ہم اُس چیلنج میں شیطان کے ساتھی تو نہیں بن گئے؟ اُس نے اَللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ، 'دیکھ لینا، تیرا بنایا ہوا یہ بندہ دنیا میں فِتنہ وفساد ہی پھیلائے گا'۔

وہ بھی اَللہ کا بندہ ہی تھا جو جِسمانی اور مالی ناتوانی کے باوجود اِنسانِ کامِل ہونے کے تمام مدارِج طے کر گیا۔ اِیدھی کو ایوارڈ بھی دیئے جائیں گے، خدمتِ خلق ڈے بھی منایا جائے گا۔ اُن کے خاندان سے تعزیت کرتے ہوئے تصاویر بھی لی جائیں گی، لیکن جب اُن کی نیکیوں کے سمندر میں ایک قطرے کا اِضافہ کرنے کی بات آئے گی تو ہم پیچھے، بہت پیچھے کھڑے تماشہ دیکھتے نظر آئیں گے۔ ہم پتھر کے بنے شیطانوں کو کنکر تو مارنے جاتے رہیں گے، لیکن اَپنے اَندر کے شیطان کو پال پوس کر طاقتور سے طاقتور کرتے رہیں گے۔ معاشرے کو ہندو، عیسائی، سِکھ، سِندھی، پنجابی اور پٹھان میں بانٹ کر فخر محسوس کرنا ہماری فِطرت بن چکی ہے۔ ذرا اُس کو بھی تو دیکھئے جِس نے ہر اِنسان کی، صِرف اِنسان سمجھ کر خِدمت کی۔ بڑے، چھوٹے، اَمیر، غریب، عورت، مرد، حتیٰ کے جانوروں تک کی خِدمت اُن کا مِشن ٹھہرا۔

بےسہارا اور یتیم بچوں کا اِیدھی اَبا چلا گیا۔ کیا وہ ہم سے یہ نہیں کہہ گیا کہ، اِس شمع کو بُجھنے نہ دینا، جو میں نے جلائی تھی۔ کاش کوئی اِیدھی اَبا کی جگہ لےلے اور اُن معصوم بچوں کا سہارا بن جائے جِن کی آنکھیں اَب اِیدھی کو ڈھونڈھ رہی ہیں۔ آٹے میں نمک کے برابر چند باضمیر لوگ اَب بھی موجود ہیں لیکن اُن کے ہاتھ مضبوط کرنے والے نہ ہونے کے برابر۔ تجوریاں اور لامحدود بینک اَکاؤنٹس دولت سے بھرے ہوئے ہیں۔ شاید قبروں میں ساتھ لے جانے کے لئے۔ شاید اُن کا خیال ہے کہ اِس دولت سے اُن کی قبریں روشن ہوجائیں گی۔ یا شاید وہ رِشوت کے ذریعے کام چلانے کے اِتنے عادی ہوگئے ہیں کہ اُن کا خیال ہے کے اَللہتعالیٰ کو رِشوت دے کر جنت خرید لیں گے۔ نہ جانے کون سا واقعہ، کون سا حادثہ اُن کے ضمیر کو جھنجھوڑ سکے گا۔ **اَپنے آپ کو اِنسان کہہ کر فخر محسوس کرنے والے نہ جانے کب یہ جان سکیں گے کہ وہ اِنسانیت کے نام پر دھبّا اور دنیاوآخرت کے لئے بہت بھاری بوجھ ہیں۔۔۔** نہ جانےکب۔۔۔ نہ جانےکب۔

نانی کی کہانیاں

کہانیوں کی یہ کتاب اِس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے کہ بچوں کے اَندر اُردو پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں روزمرہ ماحول سے لی گئی ہیں۔ اِن میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے وہ بچوں کو اَجنبی نہیں لگے گا۔ اِن کو پڑھ کر بچوں کو ایسا لگے گا کہ وہ بھی اِن کہانیوں کا ایک حصہ ہیں۔

چڑیا اور چڑا

چابی کا کھلونا

دوستی

جادوگر کا تماشہ

موسموں کی کہانی

آلودگی

اقبال کون؟

عظیم انسان

غزل کا تعارف

FREE E-Book available at: **https://nani-ki-kahanian.com**
Contact Us at: **nani.ki.kahanian@gmail.com**